بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمسرت جشنِ 600 سالہ میلادِ

امامِ آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن

خاتمِ ولایتِ مقیدۂ محمدؐیہ امراللہ مراد اللہ

امامنا سید نا حضرت سید محمد جونپوری

مہدئ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام

کہو بہ بانگِ دہل جہاں سے خلیفۃ اللہ ہیں آپ سچے ☆ جو منتظر ہیں اُنہیں بتادو کہ آ گئے ہیں ہمارے مہدیؑ

یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ ۔الخ (سورۃالمآئدہ۔54)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم میں کے جب دین سے پھر جانے لگوگے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کولائے گا جس کے لوگوں سے اللہ محبت رکھتا ہے، اور وہ لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

صَلَاحُ و اِصْلَاحُ

مولفہ

علامتہ العصر اسعد العلماء حضرت مولانا پیر و مرشد

میاں ابو سعید سید محمود صاحب تشریف اللّٰہی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

فقیر الحقیر ابو الفیض سید سعید الحق شاہین تشریف اللّٰہی ابنِ حضرت علامہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بمسرت جشنِ 600 سالہ میلادِ

امامِ آخرالزماں خلیفتہ الرحمٰن خاتمِ ولایتِ محمدّیہ امراللہ مراد اللہ امامنا سید نا

حضرت سید محمد جونپوری مہدئ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام

اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۖ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿17﴾ (سورۃھود)

ترجمہ:- کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہو۔ اور اس کے پیچھے اس کے رب کی طرف سے گواہ (قرآن) ہو اور اس کے پہلے (کی) کتابِ موسٰی (توریت) جو امام و رحمت ہے (وہ بھی اس کی) گواہ ہو (کیا وہ اور طالبِ حیاتِ دنیا دونوں برابر ہو جائیں گے ؟)وہ لوگ (جو اس وقت مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے ہونگے) اس پر ایمان لائیں گے۔ اور ان جماعتوں میں کا جو شخص اس سے کفر کرے گا۔ پس اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔ پس (اے محمدؐ) تو اِس کے متعلق شبہ میں نہ رہ! بلاشبہ وہ تو تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔

صَلَاحُ و اِصْلَاحُ

مولفہ

علامتہ العصر اسعد العلماء حضرت مولانا پیر و مرشد

میاں ابو سعید سید محمود صاحب تشریف اللّٰہی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

فقیر الحقیر ابو الفیض سید سعید الحق شاہین تشریف اللّٰہی ابنِ حضرت علامہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ قَائِمٌ بِذَاتِہٖ لِکُلِّ شَیْئٍ مِّنْہُ الْوُجُوْدُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ھُوالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَدُوْدُ ۔وَالصَّلٰوۃُ وَ التَّحِیَاتُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی خَاتَمِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی خَاتَمِ وِلَایَتِہٖ الَّذِیْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِہٖ خَلِیْفَۃُ الرَّحْمٰنْ سَمِیَ النَّبِیِّ اَلْمَوْعُوْدُ مَجِیْئَہُ فِیْ اٰخِرِالزَّمَانْ وَ عَلٰی آلِھِمَا وَ اَصْحَا بِھِمَا اَجْمَعِیْنَ الرَّاشِدِیْنَ الصَّالِحِیْنْ ھُمْ اَصْحَابُ الْیَقِیْنِ الَّذِیْنَ صَعِدُوْا ذَرْوَۃُ الدِّیْنْ ۔ آمین ۔

ترجمہ :- (حقیقی اور کامل) تعریف "اللہ تعالیٰ" ہی کے لیے ہے جو اپنی ہی ذات سے آپ قائم ہے۔ ہر چیز کا وجود اُسی سے ہے، وہ کہ جو "حَیّ" (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے) جو "قیوم" (ساری کائنات کو جب تک چاہے قائم رکھنے والا ہے) اور جو "وَدُوْدْ" (محبت فرمانے والا ہے) "صلوٰت" (درود ہوں) اور "تحیات" (بہت سارے سلام ہوں) مخلوق کے افضل محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو اللہ تعالیٰ کے سارے انبیاء کے خاتم ہوئے، نیز اُن ہی کی ولا یت کے خاتم پر کہ جو اپنے رب کی طرف سے "بینہ" (روشن دلیل) لے کر آئے، جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہؑ اور نبیؐ کے ہم نام تھے کہ جن کے آخر زمانے میں آنے کا وعدہ فرمایا گیا تھا، اور آپؐ دونوں کی آل اور اصحابؓ پر بھی جو سب کے سب راشدینؓ اور صالحینؓ تھے، جو اصحابِ یقین تھے اور جو دین کی بلندی پر فائز تھے۔ آمین ***

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن کے لیے دو باتیں لازم فرمائی ہیں۔ ایک "صلاح" دوسری "اصلاح"۔ "صلاح" کے یہ معنی ہیں کہ انسان خود ایمان و اخلاق کے نور سے منور ہو جائے۔ "اصلاح" کے یہ معنی ہیں کہ اُس نور سے انسانوں کو بھی منور کردے۔ بنیادی بات "صلاح" ہے کیوں کہ جب تک خود منور نہ ہو، منیر نہیں بن سکتا۔ "صلاح" کے لیے احکامِ دین کا صحیح علم ہونا اور اخلاقِ عادل پر کاربند ہونا ضروری ہے۔ اخلاقِ عادل کی انتہا "تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ" (اللہ کے اخلاق پیدا کرو) کا مصداق بننا ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ "مظہرِ عشقِ حقیقی ہیں۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ قرآنِ مجید جو نازل فرمایا، اُس میں بنیادی تعلیم "عشق و محبتِ الٰہی" کی دی گئی ہے۔ جس کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں "اُمُّ الْکِتَابْ" کہا جاتا ہے۔

علم ہے اِبن الکتاب ☆☆☆ عشق ہے اُمّ الکتاب

تدبیرِ شخص، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدنٗ وغیرہ تمام انفرادی و اجتماعی شعبہ ہائے حیاتِ انسانی ہیں۔ عشق و محبتِ الٰہی کا جذبہ موجود نہ رہے تو تمام نظریات و اعمال بے روح قرار دیئے جائینگے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق ☆☆☆ عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدئے تصورات

اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد وقوعِ قیامت تک بہت طویل زمانہ طے ہونا ہے۔ اِس لیے اُسی خالق و حاکمِ ازلی نے اُمتِ محمدیؐہ میں اپنے اور دو خلیفوں کی بعثت مقدر فرمائی جو اتباعِ کتاب اللہ و اتباعِ رسول اللہ کی صحیح تعلیم اپنے اپنے زمانہ میں تازہ کرینگے۔ اِسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:-

" كَيْفَ تَهْلَكُ اُمَّةٍ اَنَا فِيْ اَوَّلِهَا وَ عِيسٰى فِيْ اٰخِرِهَا وَ الْمَهْدِيُّ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْ وَسَطِهَا " یعنی میری اُمت کس طرح ہلاک ہو گی جب کہ میں اس کے شروع میں ہوں اور عیسٰی اس کے آخر میں ہیں اور مہدی جو میرے اہلِ بیت سے ہیں اس کے درمیان میں ہونگے۔

اس حدیثِ شریف کو محدثین نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس حدیثِ شریف کے سلسلۂ روایات کو سونے کی زنجیر سے تشبیہ دی ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں عبد اللہ بن عباس سے اور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے اور "اشعۃ اللمعات" جلد چہارم میں زرین سے اور مشکوٰۃ میں باختلافِ الفاظ مروی ہے۔

اس حدیثِ شریف سے تین اُمور واضح ہو رہے ہیں ایک یہ کہ اُمتِ محمدؐیہ میں اللہ تعالیٰ کے دو خلیفے، مبعوث ہونگے۔ دوسرا یہ کہ مہدیٔ موعودؑ اور عیسٰی علیہما السلام کا زمانہ ایک نہ ہو گا بلکہ علٰحیدہ علٰحیدہ ہو گا۔ اِس حدیثِ شریف کے معارض یعنی مخالف کوئی صحیح حدیث "صحاح" میں موجود نہیں ہے۔ اور یہ دونوں اللہ کے خلیفوں کا ایک زمانہ میں مبعوث ہونا عقلاً بھی درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔ تیسرا امر یہ ہے کہ اِن دونوں خلیفوں کی بعثت، اُمتِ محمدؐیہ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ہو گی۔ اُمتِ محمدؐیہ کی ہلاکت نہ صرف احکامِ شریعت کا بلکہ فی الحقیقت تعلیمِ عشق و محبتِ الٰہی کا مسخ یا مفقود ہو جانا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں اللہ کے خلیفے، اپنے اپنے زمانۂ ظہور میں "ام الکتاب" یعنی قرآنِ مجید کی بنیادی تعلیم، عشق و محبتِ الٰہی کو بھی از سرِ نو تازہ کرینگے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد احادیث کی کثرت ہو جائے گی۔ دیکھو یہ کہ میری حدیث، قرآن سے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر مطابق پائی جائے تو اِس کا حدیث ہونا قبول کرو۔ ورنہ اِس قول کو رد کر دو۔ یعنی یہ سمجھو کہ وہ میرا قول نہیں ہے۔

اِس لحاظ سے احادیثِ بعثتِ مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی قرآنِ شریف سے مطابق ہونی چاہیں۔ چونکہ اِن احادیث کو علمائے اکابرِ اہلِ سنت نے متواتر المعنی، تسلیم کیا ہے۔ اِس لیے اِن احادیث کی مطابقت بالقرآن کی ضرورت نہیں رہی۔ کیوں کہ محدثین نے احادیثِ متواترہ کو قرآن سے مطابق کرنے کی عدم ضرورت، اُصولِ حدیث میں واضح کر دی ہے۔ تاہم احادیثِ بعثتِ مہدیٔ موعودؑ میں مطابقت بالقرآن بھی موجود ہے۔

قرآنِ مجید کی جن آیات میں اُمتِ محمدؐیہ میں ایک شخص کے مبعوث ہونے اور اُس کی خصوصیات کے بارے میں جو اشارات پائے جاتے ہیں، اُن سے مہدیٔ موعودؑ ہی کی بعثت مراد ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اُس مبعوث ہونے والے شخص کا "مہدی" کے لقب سے ذکر فرمایا ہے۔ اِس لیے لقب "مہدی" کی صراحت صرف کلامِ رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی ہے، کلام اللہ میں نہیں پائی جاتی۔

بعض آیات میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ شخص، کس لیے مبعوث ہو گا۔ اُس کے مراتب و خصوصیات کیا ہونگے؟ کیا تعلیم دے گا وغیرہ، چنانچہ بعض خصوصیات، ذیل کی آیۂ شریفہ سے ظاہر ہیں۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿54﴾" (سورۃ المآئدہ)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم میں کے جب دین سے پھر جانے لگو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس کے لوگوں سے اللہ محبت رکھتا ہے، اور وہ لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور وہ مؤمنین کے مقابلہ میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب رہیں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے، اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ وسعت دینے والا علیم ہے۔

اس آیئہ شریفہ میں مستقبل کے صیغے اِس بات پر صاف دلالت کر رہے ہیں کہ یہ قوم اُمتِ محمدیہؐ میں آئندہ پیدا ہو گی جو اصحاب حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نزولِ آیت کے وقت موجود تھے، مراد نہیں ہوسکتے۔ اِسی لیے صاحبِ تفسیر نیشاپوریؒ نے اِس آئیہ شریفہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اِس سے مہدیؑ کی قوم مراد ہونا ممکن ہے۔ اِس آئیہ شریفہ کی تفصیلی تفسیر کا یہ محل نہیں ہے۔ غرض قرآنِ مجید اور اِس سے پہلے کی کتبِ الٰہیہ کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ اِس قوم کو لائے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر موقعوں پر جہاں اپنے کسی خلیفہ کے ظہور کا یا کسی خلیفہ کے کسی فعل کا ذکر مقصود ہو تو اپنے ظہور اور اپنے فعل کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

"وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ "(سورۃ الانفال۔17) یعنی اے رسولؐ جس وقت تم نے کنکریاں پھینکیں تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں۔

اور مثلاً بعض انبیاء اور حضرت رسول اللہ کی بعثت کا ذکر اِن الفاظ میں موجود ہے:-

" فقال جاءالرب من سيناو اشرق لهم من سعيرو يلا تلاء من جبل فاران واتى من ربوات القدس و عن يمينه نار شريعة لهم (مفراليشه اصحاح)"

ترجمہ:- پس میں نے کہا کہ پروردگار سینا سے آیا اور اُن کے لیے سعیر سے روشن ہوا اور کوہ فاران سے چمکا اور آیا دس ہزار قدسیوں یعنی فرشتوں کے ساتھ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

اِس پیشین گوئی میں سینا سے خدا کے تجلی کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور فاران پر خدا کے ظاہر ہونے سے حضرت رسول اللہ ﷺ کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ بنی ہاشم کے پہاڑ جو مکہ کے قریب ہیں اُن کا نام فاران ہے۔ دس ہزار فرشتوں کا ساتھ رہنا جو مذکور ہے اِس سے مراد مقدس انسان ہیں۔ چونکہ حضرت محمد ﷺ کے ظہور کو خدائے تعالیٰ نے اپنا ظہور فرمایا ہے۔ اِس لیے حضرت محمد ﷺ کے اصحابؓ کو فرشتوں سے تشبیہ دی ہے اِسی طرح "اللہ ایک قوم کو لائے گا" کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کا خلیفہ لائے گا۔ جس کا حضرت رسول اللہ ﷺ نے "مہدی" کے لقب سے ذکر فرمایا ہے۔

آئیہ "فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ " میں "فَسَوْفَ" کے لفظ سے ایک نکتہ یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ "مہدی" اس "قوم" کو عنقریب لائے گا۔ کیونکہ " سَوْفَ "مستقبل ہی کے مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ "مہدی" قریب میں ایک قوم کو لائے گا تو اِس کے برخلاف یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وقوعِ قیامت کے زمانہ میں لائے گا!!!

یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسی صحیح حدیث بھی "صحاح" میں موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ "مہدیؑ" و "عیسیٰؑ" ایک زمانہ میں ہونگے۔ اور ایک دوسرے کی اِقتداء کرینگے وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے علٰحیدہ ہونے پر اشارۃً النصِ قرآنی بھی موجود ہے۔ جس سے حدیثِ شریف " كَيْفَ تَهْلَكُ اُمَّةٌ ۔ الخ " کی تطبیق بالقرآن بھی ہو رہی ہے۔ نیز اِسی آئیہ شریفہ سے یہ "اشارۃ النص قرآنی" بھی ثابت ہوتا ہے کہ "مہدیؑ" جب مبعوث ہونگے تو اُم الکتاب یعنی قرآنِ مجید کی بنیادی و خاص تعلیم "عشق و محبتِ الٰہی" کو از سرِ نو تازہ کرینگے۔ اِسی لیے اِس قوم کی خصوصیت " يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" خاص طور پر بیان فرمائی گئی ہے۔ اِس قوم کا ارفع و علیٰ اعزاز یہ ہے کی اِس آئیہ شریفہ میں " يُحِبُّهُمْ" پہلے ہے اور " يُحِبُّوْنَهٗ " بعد میں۔۔ نیز ایک اور نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ "مہدیؑ" اپنی

"اولاد و آل" کو لائے گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "مہدیؑ" ایک قوم کو لائے گا"۔ اس لیے عشق و محبتِ الٰہی کی خصوصیت کسی ایک خاندان یا کسی ایک قبیلہ سے مخصوص نہیں کی جاسکتی بلکہ جس کسی پر خدا کا فضل ہو قومِ مہدیؑ میں شامل ہو گا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا فضل ہے کہ امام علیہ السلام کے اہلِ بیت کو اور اُن کی اولاد کو بھی بدرجۂ اتم حاصل ہوا۔

حاصلِ کلام یہ کہ امام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی صداقتِ دعوئے مہدیت کی بنیادی دلیل مذکورۃ الصدر " اشارۃ النصِ قرآنی" کی مطابقت بھی ہے۔!!! کیونکہ آپؑ نے اپنی قوم کو عشق و محبتِ الٰہی اور اِس کے لوازم کی خاص طور پر تعلیم دی ہے۔ اور اِس کو اختیار کرنا، ہر مرد و عورت کے لیے خدا کے حکم سے فرض قرار دیا ہے۔ ترکِ دنیا، طلبِ دیدارِ خدا، ذکر اللہ، توکل، صحبتِ صادقاں، ہجرت و عزلت یہ سب عشق کے لوازم ہیں جو کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ سے ثابت ہیں۔

اِسی لیے ان صحابہؓ کو آپؑ نے اصحابِ صفہؓ سے تشبیہہ دی چنانچہ فرمایا کہ:-

اصحاب صفہؓ قومِ محمد مصطفیٰ ﷺ که مشهور بدیں نام نو موصوف بدیں صفات بودند۔ و گروہِ مہدی نیز موصوف بدیں صفات اللہ۔

ترجمہ:- یعنے محمد ﷺ کی قوم (جماعت) جو کہ اصحابِ صفہؓ کے نام سے مشہور تھی اور جن صفاتِ (عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم) سے موصوف تھی، قومِ مہدیؑ بھی انہی صفات سے موصوف ہے۔

(اصحابِ صفہؓ میں عشق و محبتِ الٰہی کی جو خصوصیات تھیں احادیثِ شریفہ سے ظاہر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بھی اُن اصحابؓ کا اور اُن کی خصوصیات کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

"لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط (سورۃ البقرہ۔ 273)

ترجمہ:- اِن فقراء کے لیے جو اللہ کے راستے میں محصور ہیں زمین (دنیا) میں (کمانے کے لیے) چل پھر نہیں سکتے اُن کے سوال نہ کرنے کے سبب، جاہل ،اُن کو غنی سمجھتا ہے۔ تو اُن کو اُن کی پیشانیوں سے پہچان لے گا۔ وہ فقراء کسی سے گڑ گڑا کر سوال نہیں کرتے (بھیک نہیں مانگتے)

غرض صحابۂ مہدیٔ موعودؑ میں "يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" کی خصوصیات اور شیون فنائے ذات و صفات، بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اِس لیے

"فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ" کا اولین مصداق یہی جماعت ہے۔

اِس مختصر بحث سے ظاہر ہے کہ "قومِ مہدی" فی الحقیقت، "امت ہادیِ برحق" ہے۔ اِس کا فرض ہے کہ نورِ ایمان و تقویٰ سے منور ہو اور دوسروں کو اس روشنی سے منور کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:- "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿102﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص "﴿103﴾ (سورۃ اٰل عمران)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور مرو تو مسلمانی کی حالت میں مرو۔ اور سب مل کر اللہ کی ڈوری مضبوطی سے تھام لو۔ اور متفرق نہ ہو جاؤ۔

اِس آئیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر مؤمن کے لیے ایمان و تقویٰ کے نور سے منور ہونے اور اتحاد و اتفاق اختیار کرنے کی خاص طور پر تاکیداً، ہدایت فرمائی ہے۔

" كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط" (اٰل عمران۔110)

ترجمہ:- تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

نیز فرمایا:-

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ...الخ (سورۃالتوبہ۔71)

ترجمہ:- مؤمن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی و مددگار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

"وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃالتوبہ۔88)

ترجمہ:- وہ سب فلاح پانے والے ہیں۔

نیز فرمایا:-

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿6﴾"(سورۃالتحریم۔6)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جس پر تند خو سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں اللہ کے احکام کی نافرمانی مطلق نہیں کرتے اور جو حکم اُن کو ملتا ہے وہ برابر بجالاتے ہیں۔

پہلی آئیہ شریفہ سے ظاہر ہے کہ "اُمتِ محمدؐیہ" تمام دنیا کے انسانوں اور اُن کی جماعتوں سے بہتر ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اَمَرْ بِالْمَعْرُوْفْ وَنَہِی عَنِ الْمُنْکَرْ" کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ بعد کی مندرجہ آیاتِ شریفہ سے بھی ظاہر ہے کہ ہر مؤمن مرد بلکہ ہر مؤمن عورت کا بھی فرض ہے کہ خود نورِ ایمان و تقویٰ سے منور ہو، اور دوسرے انسانوں کو بھی اس سے منور کرے۔ اس مضمون کی کئی احادیثِ شریفہ بھی موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

"اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو بدی سے روکو۔ اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کرے گا۔ جس طرح بنی اسرائیل پر کیا"۔

نیز فرمایا:-

"تم میں سے کوئی بدی کو دیکھے تو لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر قوت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ اس کی بھی قوت نہ ہو تو کم از کم دل میں تو برا سمجھے"۔ اِس پیغمبرانہ فرمانِ واجب الادغان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو رہی ہے کہ ہر مؤمن کا نورِ ایمان و تقویٰ سے منور ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن ہر مؤمن میں دوسروں کو اس نور سے منور کرنے کی کامل استعداد و صلاحیت و خصوصیات موجود ہونا، ممکن نہیں۔ کیوں کہ دوسروں پر تبلیغ

ایمان و تقویٰ کے لیے علومِ دینہ وغیرہ جن لوازم کی ضرورت ہے وہ ہر مومن میں پائی جانا ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے سرور کائناتؐ نے فرمایا ہے کہ اپنی قوتِ اصلہ اور اپنے اپنے علم و مراتب و مقاماتِ دین کی حد میں یہ فرض ادا کرے۔" اپنے ہاتھ سے بدل دینے کا تعلق طاقت و قدرت سے ہے۔ اور طاقت و قدرت کا تعلق حکومت سے۔ لیکن اس کا انحصار صرف اقتدارِ حکومتِ اسلامیہ ہی پر نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ جس جس کو جس حد تک حکومت حاصل ہے، اسی حد میں اس فرض کو انجام دے۔ مثلاً باپ اور ماں کو اولاد پر۔ شوہر کو بیوی پر۔ اور ہر بڑے کو چھوٹے پر حکومت حاصل ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنے ماتحت افراد کو دین کا پابند بنائے۔ اللہ کی محبت، نماز، روزہ وغیرہ اُمور، کی ہدایت کرے برائیوں سے روکے۔ غرض کوئی مؤمن "اصلاح" سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ موم بتی، چراغ، مشعل، بجلی کا بلب، چاند اور سورج، اِن سب پر منیر ہونے کا اطلاق تو ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ سب چیزیں روشنی دینے کی استعداد رکھتی ہیں۔ مگر ان میں قوتِ تنویر کینڈل پاور کا فرق ضرور رہتا ہے۔

اسی طرح مومن ایک یا چند انسانوں کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کر دے یا ایک جماعت یا ایک قوم یا ایک ملک میں دعوت الی الخیر پھیلا دے یا ساری دنیا کو نیکی کی طرف بلائے۔ بدی و منکرات جہاں ہوں، ان کے استیصال کے لیے اقدام کرے۔ اپنے آپ کو کسی برادری، کسی خاص جماعت، یا خاص ملک کے لیے محدود نہ سمجھے۔ یہ سب امور اپنے اپنے مدارجِ ایمان و تقویٰ سے اور تبلیغ کی صلاحیت سے تعلق رکھتے ہیں۔

عشق و محبتِ الٰہی اور اس کے لوازم اور علم لدنی کی بھی یہی صورت ہے۔ اسی لیے امام ناعلیہ السلام نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت سنار کی انگھیٹی سے تشبیہہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ کوئلے کے بعض ٹکڑے پوری طرح سلگ گئے ہیں، بعض ادھورے ہیں اور بعض کو صرف گرمی پہنچی ہے۔

غرض خدا اور خاتمینؑ کا مطالبہ ہر مؤمن سے یہی ہے کہ وہ حسبِ استعداد، دوسروں کو بھی نورِ ایمان و تقویٰ سے منور کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔ کسی کے ہدایت حاصل کرنے یا نہ کرنے کو خاطر میں نہ لائے کیوں کہ انبیاء علیہما السلام اور خاتم الاولیاء علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ آپ کا کام صرف ہمارے احکام پہنچا دینا ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا کرنا ہمارا کام ہے۔ اس لیے عام خاص یا خاص الخاص مومنین کے لیے بھی ہر ایک انسان کی ہدایت حاصل کرنے پر مجبور کر دینا ممکن نہیں۔ صرف تبلیغِ احکام فرض ہے۔ مگر اِس کا حق صرف دین و مذہب سے دلی وابستگی، محبت اور جان نثاری سے ادا ہو سکتا ہے۔

اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ ہر مومن کے لیے "صلاح و اصلاح" پر کاربند ہونا ضروری ہے۔ قومِ مسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے "خیر امتہ" فرمایا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صفت سے متصف گردانا ہے تو وہ خاص قوم جس کو اللہ تعالیٰ نے اِس "خیر امتہ" کو ہلاکت سے بچانے والے مہدی موعود صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ حسبِ وعدۂ قرآنی پیدا فرمایا، ضرور "خیر امتہ" کا مصداق ہے۔ اس لیے "صلاح" کے ساتھ ساتھ "اصلاح" بھی پوری قومِ مہدیٔ موعود کی ذمہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر قرآنِ مجید میں فرمایا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط" (سورۃ اٰل عمران۔104)

ترجمہ:- تم میں ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے۔

اِس آیۂ شریفہ میں "خیر امتہ" سے چند افراد مراد ہیں۔ کیونکہ "خیر امتہ" میں مریض بھی ہیں، معذور بھی ہیں، امی بھی ہیں۔ تبلیغِ احکام کے لوازم ہر ایک میں موجود نہیں رہ سکتے۔ اور خلیفتہ اللہ کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا "خیر امتہ" میں تنزل و انحطاط بڑھتا جائے گا۔ اس لیے کم از کم ایسے لوگوں کا تو ہونا ضروری ہے جو احکامِ شرعیہ اور عشق و محبتِ الٰہی اور اِس کے لوازم سے مشرف کر سکیں، نیکی کی دعوت دے سکیں برائیوں سے روک

سکیں۔اِسی لیے حکیمِ ازلی نے اس آیئہ شریفہ میں کم از کم "خیر امتہ "میں ایسے چند لوگوں کی ضرورت بھی واضح فرمادی ہے۔ تا کہ احکامِ شریعت اور تعلیمِ عشق و محبتِ الٰہی کا فیض جاری رہ سکے۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایسے چند لوگ بھی نہ رہیں تو عذابِ الٰہی اور ہلاکت وتباہی لازم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"جو لوگ اپنے رسول کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیے کہ کسی فتنہ یا عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں"۔

نیز فرماتا ہے:-

"تم سے پہلے کی قوموں میں کچھ لوگ ایسے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے۔ اُن میں سے ایسے لوگ اگر تھے بھی تو وہ بہت کم تھے۔ اُن کو ہم نے نجات دیدی۔ باقی رہے ظالم لوگ تو وہ مجرم تھے اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو اُن کو دی گئی تھیں۔ تو اے نبیؐ! تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو یوں ہی ظلم سے ہلاک کر دے۔ در آنحالیکہ وہاں کے باشندے نیک کام کرنے والے ہوں۔"

اِس مضمون کی کئی احادیثِ شریفہ ہیں۔

ایک دعوت محدود ہوتی ہے اور ایک دعوتِ عام۔ عام دعوت کا اہتمام "تصنیف و تالیف، ترجمہ و تشریح، وعظ و بیانِ قرآن، ارشاد و ہدایت کرنے اور بیعت لینے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کام علماء و مرشدینِ کرام کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

اِس لیے "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ" یعنی تم میں سے ایسی جماعت "يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ" کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں "وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" کو نیکی کا حکم دے اور برائیوں "وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" سے منع کرے۔ آئیہ شریفہ کا اولین مصداق دورِ ولایت میں خیر القرون یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے بعد مرشدینِ کرام ہیں۔ کیوں کہ حصولِ مدعائے حضرت مہدی علیہ السلام کے لیے آپؑ ہی کا قائم کردہ طریقہِ بیعت، جو دین کی بنیادی ضروریات میں داخل ہے، مرشدینِ کرام ہی سے تعلق رکھتا ہے۔!!!! محدود، دعوت، جیسے کہ مؤمنین میں باپ اور ماں کی دعوت اولاد کے لیے، شوہر کی بیوی کے لئے، استاد کی شاگرد کے لیے۔ ہر بڑے کی چھوٹے کے لیے، اور ہر دوست کی اپنے دوست کے لیے۔ نماز، روزہ طلبِ دیدارِ خدا، ذکر اللہ وغیرہ فرائضِ نبوت اور فرائضِ ولایت اور اعمالِ صالحہ کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے۔ یہ دعوت ہر مؤمن پر فرض ہے۔ کوئی مؤمن اِس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر مومنین کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں، اُن میں "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کی خصوصیت بھی واضح فرمادی ہے۔

"اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط (سورۃ التوبہ۔112)

ترجمہ:- (مومنین) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، خدا کی حمد کرنے والے، خدا کی راہ میں سفر کرنے والے، رکوع و سجود کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، اور برائی سے روکنے والے، اور حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آئیہ شریفہ سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ، "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہر مومن کی خصوصیات میں داخل ہے۔ اس کے لیے عملِ با اخلاص ضروری ہے۔ اسی لیے "صلاح" پہلے ہے "اصلاح" بعد۔!!!!

اب رہا تاثیرِ تبلیغ کا سوال۔ اس بارے میں اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ "تبلیغ" فرض ہے۔ تاثیرِ تبلیغ، خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ کیوں کہ قبولیتِ ہدایت کے لیے جس استعداد کی ضرورت ہے وہ استعداد، عطائے الٰہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

ایک قوت اثر کرنے والی ہوتی ہے اور ایک قوت اثر قبول کرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ "مقناطیس" میں قوتِ جاذبہ موجود ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی نادانی سے انکار کرے تو "مقناطیس" کے ٹکڑے کی قوتِ جاذبہ کے تناسب سے لوہے کا ٹکڑا "مقناطیس" کے سامنے رکھ کر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ مقناطیس میں قوتِ جاذبہ موجود ہے۔ لیکن "پتھر" یا "لکڑی" یا اور کوئی چیز جس پر مقناطیس کا اثر نہ ہو سکتا ہو، پیش کر کے مقناطیس کی قوتِ جاذبہ کو ثابت کرنا، محال ہو جائے گا۔!!! اس سے معلوم ہوا کہ مقناطیس کی قوتِ جاذبہ کا عمل، لوہے پر ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ لوہے میں بھی مقناطیس کی قوتِ جاذبہ کو قبول کرنے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ جن چیزوں میں یہ استعداد ہو گی انہی پر مقناطیس کا عمل موثر ہو سکے گا۔

یہی صورت، قبولیتِ دعوتِ ایمان کی بھی ہے۔ جب تک کسی انسان کو قبولیتِ دعوتِ ایمان کی توفیق عطا نہ ہو، تبلیغ و دعوت اثر نہیں کر سکتی۔ اس "توفیق" کو بالفاظِ دیگر "عقلِ نوری" کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے آج بھی دنیا میں "نورِ عقل" رکھنے والے بڑے بڑے سائنس داں، مشہور و معروف علمائے علوم و فنونِ دنیاوی اور سیاست داں و صناع موجود ہیں۔ شعبہ ہائے حیاتِ انسانی کی تمام ضروریات کی تکمیل کے لیے "محیر العقول" ایجادات کا سلسلہ روز بروز جاری ہے۔ حتّٰی کہ "نورِ عقل" رکھنے والا یہ انسان نہ صرف خلاء میں، زمین کے اطراف بے خوف و خطر گردش کرنے کے قابل ہو گیا ہے، بلکہ چاند وغیرہ سیاروں پر بھی پہونچنے کی کوشش میں مشغول و منہمک ہے۔ اس مادّی دنیا میں "نورِ عقل" کے زیادہ سے زیادہ محیر العقول مظاہرے ہو رہے ہیں۔

لیکن اُن باکمال انسانوں کا "نورِ عقل" قبولیتِ دعوتِ ایمان سے محض اس لیے محروم ہے کہ توفیقِ ایزدی یعنے، "عقلِ نوری" اُن کو نصیب نہیں ہے۔ اس سے بداہتہً ثابت ہو رہا ہے کہ "توفیقِ الٰہی" یعنے "عقلِ نوری" کے بغیر قبولیتِ دعوتِ ایمان ممکن نہیں۔!!!! "عقلِ نوری" کی شان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ایمان و اسلام کے ابتدائی مدارج پر ہی نہیں بلکہ نبوت، ولایت اور فنائیت کے انتہائی مقامات و مراتب پر بھی انسان فائز ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے انسان "نبی" ہوا ہے "ولی" ہوا ہے۔ مافوق الفطرت قوتوں کا مالک بنایا گیا۔ معجزات و کرامات کا اس سے ظہور ہوا۔ سر فلک الافلاک پر آگاہ کیا گیا ہے۔ سیر نبوت اور سیر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ انوار و تجلیاتِ الٰہی کے دیدار سے مشرف کیا جاتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ "ایمان" کی ابتداء بھی "عقلِ نوری" سے ہوتی ہے، انتہا بھی "عقلِ نوری" سے ہوتی ہے۔

صرف "نورِ عقل" رکھنے والا بڑے سے بڑا صاحبِ کمال انسان، "عقلِ نوری" سے مشرف باخدا انسان کی برابری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مالک و محسنِ حقیقی کا "حقِ احسان" ادا کرنے کے شرفِ انسانیت سے محروم ہوتا ہے۔!!!

غرض کسی انسان کو "توفیقِ ایزدی" یعنے "عقلِ نور" عطا نہ ہو تو اُس پر کسی مؤمن کی یا عالمِ دین یا مرشد راہِ لقائے رب کی ہدایت کا اثر نہیں ہو سکتا بلکہ نبی یا رسول حتّٰی کہ خاتم الانبیاء و خاتم الاولیاء علیہم السلام کی ہدایت کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

"ابو جہل" کی حالت پر غور کیجئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم کا چچا تھا۔ آپؐ کے مبارک عہدِ طفلی کے مافوق البشر فضائلِ خصائل سے واقف تھا۔ مجنون اور فاتر العقل بھی نہیں ہو گیا تھا۔ سب عقلمند انسانوں کی طرح وہ بھی عقل رکھتا تھا۔ شرفائے عرب اور خاندانِ قریش کی خصوصیات اُس میں موجود تھیں۔ وقیع تھا دلیر تھا غنی تھا سب کچھ تھا مگر عصبیتِ جاہلیہ کی وجہ سے خدا کی "توفیق" یعنے "عقلِ نوری" سے محروم تھا اس لیے دولتِ ایمان کا ایک ذرہ بھی اس کو نصیب نہ ہو سکا۔ بلکہ جہالت اور ضد و عار نے اُس کو معتوب و مقہورِ خدا اور سولؐ بنا دیا۔ اِسی طرح خاتم

الاولیاء، حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے اپنی تاثیرِ تبلیغ کے بارے میں واضح فرمایا تھا کہ:- "یک نظرِ بندہ بہتر از عبادتِ ہزار سالہ مقبولہ" یعنے بندہ کی ایک نظر ہزار سالہ مقبولہ عبادت سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ آپؑ کی تاثیرِ نظرِ مبارک سے مقصودِ عبادت یعنے دیدارِ خدا کا شرف حاصل ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کی نظرِ مبارک میں اِس درجہ تاثیر عطا ہونے کے باوجود چند لاکھ انسانوں نے آپؑ کی دعوتِ تبلیغ کو قبول کرنے کا شرف حاصل کیا حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپؑ نے جونپور سے ہجرت فرما کر ہندوستان اور موجودہ پاکستان کے کئی مقامات کا اور حج کا سفر فرمایا۔ فراح مبارک علاقۂ خراسان (افغانستان) تک پہنچے۔ اتنے طویل تبلیغی سفر کی مثال تاریخِ انبیاء میں نہ مل سکے گی۔ ہزاروں، لاکھوں انسانوں پر آپؑ کی نظرِ مبارک پڑ رہی تھی، مگر وہی انسان، جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق جس درجہ عطا ہوئی تھی اُسی حد تک آپؑ کی نظرِ مبارک کی تاثیر سے مشرف ہو رہے تھے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ بھی انسان تھے۔ لیکن آپؓ کو جو توفیق و استعداد اور جو عقلِ نوری عطا ہوئی تھی اس کی وجہ سے جب کہ پہلی دفعہ آپ مہدیٔ موعود علیہ السلام کے دربارِ گہربار میں حاضر ہوئے تو مہدیٔ موعود علیہ السلام کی نظرِ مبارک پڑتے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رویتِ مطلقہ یعنے فنائے تام کا شرف حاصل ہو گیا۔ ملاحظہ ہو کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تاثیرِ نظرِ مبارک کا بندگی میاںؓ کی ذاتِ اعلیٰ صفات میں خداداد قابلیت کی وجہ سے اس درجہ ظہور ہوا!!!

اور "تصدیقِ بندہ بینائیِ خدا" فرمانِ مہدی علیہ السلام کی شان بدرجۂ اتم جلوہ گر ہو گئی۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی دعوتِ تبلیغ کی ایک اور روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

جو لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ حدیث میں مہدیٔ موعودؑ کی شان میں "يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا" (مہدیؑ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا) آیا ہے آپؑ کے زمانہ میں ایسا ہوتے نہیں پایا۔ آپؑ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ایسی ہی قوت عطا فرمائی ہے کہ پوری دنیا کے انسانوں کو عدل و انصاف سے مشرف کر دے۔ پھر آپؑ نے ندی کے کنارے ایک برہمن کو جو کہ غسل سے فارغ ہو کر جا رہا تھا آواز دے کر طلب فرمایا وہ حاضر ہوا۔ آپؑ نے حکم دیا زنار توڑ دو۔ اس نے زنار توڑ دیا۔ فرمایا کلمہ پڑھو اُس نے حسبِ ہدایت کلمہ پڑھا۔ پھر آپؑ نے اپنے مہدیٔ موعود ہونے کی تصدیق کرنے کا حکم دیا۔ اُس نے تصدیق قبول کرنے کا شرف حاصل کیا۔

آپؑ نے فرمایا، دیکھو! بندہ کو خدائے تعالیٰ نے ایسی قوت و قدرت عطا فرمائی ہے لیکن مشیتِ ایزدی یہ ہے کہ بندہ صرف خدا کے حکم سے اپنے مہدیٔ موعودؑ ہونے کا اعلان کرے۔ توفیق قبولیت خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اِسی لیے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے ہزار مہینوں سے بہتر برکاتِ عظمٰی والی لیلۃ القدر کے موقع پر دوگانۂ شکرانہ ادا کرنے کے بعد جو دعائیں پڑھی ہیں، اُن میں یہ دعاء بھی ہے:-

"اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِأَعْيُنِنَا وَعَظِّمْ جَلَالَكَ فِيْ قُلُوْبِنَا وَ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰى دِيْنِكَ وَطَاعَتِكَ وَمُحَبَّتِكَ وَ شَوْقِكَ وَعِشْقِكَ بِفَضْلِكَ وَ كَرَمِكَ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ وَبِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

ترجمہ:- اے اللہ! اے اکرم الاکرمین! اے ارحم الراحمین تو اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دنیا کو ہماری نظروں میں حقیر بنا دے اور ہمارے دلوں میں تیرے جلال کی عظمت قائم فرما دے اور تیری خوشنودیاں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما! اور تیرے دین پر، تیری اطاعت پر، تیری محبت پر،

اور تیرے شوق و عشق پر ہم کو ثابت قدمی عطا فرما۔ نیز یہ قرآنی دعاء بھی پڑھی:-

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿8﴾"

(سورۃ اٰل عمران۔8)

ترجمہ:- اے ہمارے رب ہم کو ہدایت کے راستہ پر لگا دینے کے بعد ہمارے دلوں کو پھیر نہ دے۔ اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔

"اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" (بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔) کو آپؐ نے تین مرتبہ دہرایا ہے۔ اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو رہی ہے کہ جو لوگ ایمان لا چکے۔ ان کو بھی خدائے تعالیٰ سے نہایت ہی خوف و خشیت کے ساتھ التجا کرتے رہنا چاہیے کہ ایمان پر ثابت قدمی اور مدارجِ ایمان، زیادہ سے زیادہ حاصل کرنیکی توفیق عطا ہو۔!!!

اِس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ انبیاء و خلفائے الٰہی کے ذمہ بھی صرف احکام سنانا تھا۔ کیونکہ قبولیتِ دعوتِ ایمان کی توفیق عطا کرنا خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو صاف طور پر فرمایا:-

"اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾"(سورۃ القصص)

ترجمہ:- (اے محمدؐ) بے شک تم جس کو دوست رکھتے ہیں اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ نیز فرمایا:-

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط"(سورۃ یونس۔99)

ترجمہ:- اگر تمہارا رب چاہتا تو جو لوگ زمین (دنیا) میں ہیں وہ سب کے سب ایمان لاتے۔ نیز فرمایا:-

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔۔ الخ"(سورۃ ھود۔118)"

ترجمہ:- اگر تمہارا رب چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔ جب انبیاء و خلفائے الٰہی جو معصوم عن الخطا تھے اُن کے فرائض میں ہر انسان کو ایمان و ہدایت سے مشرف کر دینا مقدر نہیں تھا، تو عام مومنین، خاص یا خاص الخاص مؤمنین اور علماء و مرشدینِ کرام سے بھی کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔؟ البتہ ان سب میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق صلاح و اصلاح کا فرض ادا کرے۔ "حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:- "عقل کا نور، عقلمند کو اللہ کے وجود و توحید کے اقرار اور اللہ کے رسولوں کی رسالت و نبوت کی تصدیق کی طرف رہنمائی نہیں کرتا ہے بلکہ اُس نور سے راستہ پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے نفس میں ڈال دیتا ہے۔ اُسی نور سے اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہے۔" قرآنِ مجید کی آئیہ شریفہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

"اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط"(سورۃ الزمر۔22)

ترجمہ:- یعنے جس کے سینہ کو اللہ نے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ سینہ، دل کا قلعہ ہے۔ اور دل محلِ عقل و معرفت ہے۔ وساوسِ شیطان کے حملوں کی ابتداء دل کے قلعہ سے ہوتی ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

"اَلَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ﴿5﴾"(سورۃالناس)

ترجمہ:- (خناس)لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

جس کی وجہ سے انسان، دینِ اسلام میں حلاوت اور طاعتِ خدا میں لذت نہیں پاسکتا۔ یہ توعام انسانوں کی بات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلیل القدر رسولؑ، صاحبِ کتابِ "توریت" اور صاحبِ کلمہ اولوالعزم پیغمبر ہونے کے باوجود خدائے تعالیٰ سے جو التجاء کی ہے، اس کا قرآنِ مجید میں بھی ذکر آیا ہے۔

"قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ﴿25﴾ۙ وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿26﴾ۙ "(سورۃطٰہٰ)

ترجمہ:- (کہو)اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میری مشکل آسان فرمادے۔

اِسی طرح حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے بھی دوگانۂ لیلۃ القدر کے موقع پر یہ دعاء بھی کی ہے:-

"اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الۡحَقَّ حَقًّا وَّارۡزُقۡنَا اِتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارۡزُقۡنَا اِجۡتِنَابَہٗ"

ترجمہ:- اے اللہ! ہمیں حق کو حق کی حالت میں دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اور ہمیں باطل کو باطل کی حالت میں دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ، انسان کی نظر میں قلبِ ماہیت (یعنے خلافِ واقعیت) بھی دکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے موقع پر جب کہ کفار کی تعداد، حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جماعت کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی، لشکرِ کفار عصری آلاتِ حرب اور حربی تمام سہولتوں سے مسلح و منظم تھا۔ اس کے باوجود آپؐ کی فتح ہوئی۔ لشکرِ کفار کو شکست و ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اِس جنگ کی فتح حضرت رسول اکرم ﷺ کا اہم معجزہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے اور یہ انکشاف بھی فرمایا ہے:-

"وَ اِذۡ یُرِیۡکُمُوۡھُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّ یُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِھِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ط"(سورۃالانفال۔44)

ترجمہ:- اور جب تمہاری مد بھیڑ کافروں سے ہوئی تو تمہاری نظروں میں اُن (کافروں) کو قلیل دِکھایا۔ اور اُن کافروں کی نظروں میں تم کو قلیل دِکھایا۔ تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہو چکا تھا۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایسی ہی قدرت کا ذکر اِس طرح فرمایا ہے:-

"فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ اُخۡرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوۡنَھُمۡ مِّثۡلَیۡھِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ ط وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ط اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿13﴾(سورۃاٰل عمران)

ترجمہ:- ایک فوج اللہ کے راستے میں لڑ رہی ہے اور دوسری (فوج) کافر ہے۔ جو اُن (مسلمانوں) کو صریح آنکھوں سے دوگنے دیکھ رہی ہے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ اس میں اہلِ نظر لوگوں کے لیے عبرت ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے اپنے بندہ کو نوازتا ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مؤمنین کو عشق و محبت کی تعلیم دی اور بصیرۃ و دیدار کی دعوت بھی دی ہے۔ اور وہ قادرِ مطلق، جس کی شان

"فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" (یعنے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔) بھی ہے تو وہ جس طرح آخرت میں دیدار سے مشرف کر سکتا ہے، اُسی طرح اِس دنیا میں بھی مؤمنین سے جس کو چاہے "دیدار" اور "ظہورِ تجلیات" سے مشرف کرنے سے ہر گز عاجز نہیں۔ خصوصاً "قومِ مہدیٔ موعودؑ" کو "يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ" (اللہ اُس قوم سے محبت کرتا ہے اور وہ قوم اللہ سے محبت کرتی ہے۔) کا اعلیٰ ترین اعزاز بخشا ہے تو ضرور اُس اعزاز کے کماحقہٗ ظہور پر بھی قادر ہے۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے فرزند حضرت میراں سید محمود رضی اللہ عنہٗ بھی انسان ہی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایسی توفیق و استعداد اور ایسی اعلیٰ صلاحیت آپؓ کو عطا فرمائی تھی کہ 18 یا 19 سال کی عمر میں ہی رویتِ مطلقہ یعنی فنائے تام سے مشرف ہو گئے تھے۔ حالانکہ ابھی حضرت امامنا مہدی علیہ السلام نے "ذکرِ خفی" کی تعلیم آپ کو نہیں دی تھی۔ امامنا علیہ السلام، حرمِ محترم حضرت بی بی الہٰدادی رضی اللہ عنہا سے تخلیہ میں اللہ تعالیٰ کے الہامات اور منصبِ مہدیتِ موعودہ پر فائز ہونے کا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت سید محمود رضی اللہ عنہٗ نے حسنِ اتفاق سے باہر سے سن لیا۔ اور سنتے ہی جاذبِ بحق ہو گئے۔ رویتِ مطلقہ یعنی فنائے تام کی اعلیٰ ترین بشارت سے سرفراز ہوئے۔ "ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" ۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی "قادر و مختارِ مطلق" ہے اس لیے پیغمبروں نے بھی نورِ ولایت سے مشرف رہنے کے باوجود، اللہ تعالیٰ سے "شرحِ صدر" اور "نورِ قلب و نظر" کی دعاء کی ہے۔

اِسی لیے مؤمنین کو بھی تاکید کے ساتھ ہدایت کی گئی ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھیں۔ تقویٰ اختیار کریں۔ "شرحِ صدر" اور "حق و باطل" کی تمیز کا نور عطا ہونے کی اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے رہیں۔ انسان کی گمراہی، وساوسِ شیطانی سے بھی ہوتی ہے اور محرکاتِ نفسانی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رمضان کے مبارک مہینہ کے فضائل میں یہ فضیلت بھی بیان ہوئی ہے کہ شیطان، اس مہینہ میں قید کر دیا جاتا ہے تاکہ سینے یعنی دل کے قلعے، وساوس کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کے باوجود مؤمنین میں سے بہت سے لوگ نماز اور روزہ سے محروم رہتے ہیں۔ بد اعمالیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ "محرکاتِ نفسانی" کے غلبہ نے "طاعتِ خدا" کی لذت حاصل کرنے سے باز رکھا ہے۔ دنیاوی لذت، دین سے بے پروائی اور لطائفِ رحیل میں مبتلا کر دیا ہے۔ اِسی لیے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے بندہ اور خدا کے درمیان جو حجابات ہیں اُن میں شیطانی وساوس کے علاوہ نفس کو بھی "حجاب" فرمایا ہے۔ کیونکہ نفس کی وجہ سے بھی انسان غلط نظریات شکوک و شبہات، بد اعمالیوں اور شرارتوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے نہ صرف شیطان سے بلکہ "نفسِ امارہ" کی شرارتوں سے بھی خدائے تعالیٰ کی "پناہ" مانگی جاتی اور یہ دعاء کی جاتی ہے۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا" یعنی ہمارے نفس کی شرارتوں اور ہمارے اعمال کی برائیوں سے ہم، اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرتِ کاملہ کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ:-

"فَمَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ" (سورۃ الاعراف۔186) یعنی جس کو اللہ ہدایت فرمادے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کر دے کوئی اس کا ہادی نہیں بن سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کا اعتقاد دل میں قائم نہ ہو "تقویٰ" حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک "تقویٰ" حاصل نہ ہو دینِ اسلام کی ہدایت سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا ہے:- "ذَالِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ج هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

بِالْغَيْبِ "(سورۃ البقرہ۔2) یعنی یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کوئی بات شک وشبہ کے لائق نہیں ہے۔ یہ کتاب اُن لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ مجید، قیامت تک پیدا ہونے والی انسانی دنیا کے لیے آخری واتم دعوت الی الحق ہے۔ لیکن اس دعوت کو وہی انسان قبول کرسکتے ہیں، جن کے دل میں، "تقویٰ" ہو اور وہ غیب پر ایمان لاتے ہوں۔ قرآنِ مجید کی شان میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:- "وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ لِمَنْ يَّشَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ط وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ع○" (سورۃ التکویر۔29،28،27،26،25)

ترجمہ:- یعنی وہ مردود شیطان کا قول نہیں ہے۔ پس تم کہاں جارہے ہو؟ وہ (قرآن) تو تمام عالمین کے لیے نصیحت ہے۔ تاکہ تم میں سے جو چاہے سیدھا راستہ اختیار کرسکے۔ اور تم وہی چاہو گے جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے۔ مفسرین نے "اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:- "ما القرآن الا موعظة للخلق اجمعين" یعنی قرآن ہی تمام مخلوق کے لیے نصیحت ہے۔ عالمین سے مراد مکلفین یعنی عاقل وبالغ انسان ہیں۔ اس کا ثبوت "لِمَنْ يَّشَآءَ مِنْكُمْ" سے ہورہا ہے۔ دنیا کے وہ تمام عاقل وبالغ انسان، جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اُن سب کے لیے بھی قرآنِ مجید، دعوت ونصیحت ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید سے ہدایت ونصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عاقل وبالغ ہوں۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

اسی لیے مفسرین نے

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" یعنی تم حق کے راستہ پر استقامت کو نہیں چاہو گے مگر اللہ کی مشیت سے جو عالمین کا رب ہے۔

ظاہر ہے کہ حق کا راستہ اختیار کرنا اور اُس پر قائم رہنا، "تقویٰ" اور غیب پر ایمان لانے پر منحصر ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

حضرت امام مہدیٔ موعود علیہ السلام نے "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ التکویر۔29)" کی ماہیت یہ بیان فرمائی ہے کہ:-

"معنی ایں آیت اینست کہ چنانچہ افعال و اقوالِ بندگان بجز مشیتِ حق تعالٰی نیست۔ ہمچناں خاطر و آرزو ہائے بندہ بے ارادت و مشیتِ حق تعالٰی نیست"۔ (نقلیات بندگی میاں عبدالرشیدؓ باب اول)

یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بندوں کے افعال واقوال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہیں اِسی طرح اندرونِ دل ودماغ سے تعلق رکھنے والی باتیں ارادے اور آرزوئیں بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے بغیر نہیں ہیں۔

امام ناعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نکتہ واضح فرمایا ہے کہ کوئی فعل یا قول "ارادہ" کے بغیر صادر نہیں ہوسکتا۔ خواہ ارادہ محسوس ہو یا نہ ہو، اس لیے بنیادی بات یہ ہے کہ نہ صرف افعال واقوال بلکہ اُن افعال واقوال کے ارادے اور تمنائیں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر صادر نہیں ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "صلاح" و "اصلاح" بھی مشیتِ حق تعالیٰ پر منحصر ہے۔ حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی شانِ نزول یہ ہے کہ شہر پٹن (گجرات) میں ملا معین الدین، مشہور عالم تھے۔ حکومت اور عوام پر اُن کا زیادہ اثر تھا۔ کئی شاگرد، فارغ التحصیل ہوچکے تھے۔ حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، پٹن تشریف لائے تو یہاں بھی آپؑ کے بیانِ قرآن اور دعوتِ مہدیت کی تاثیر سے ہزاروں آدمی مطیع ومنقاد ہو

رہے تھے۔ ملا معین الدین نے عناد اختیار کیا۔ اور اپنے لائقِ اعتماد شاگرد علماء کے ذریعہ پیچیدہ سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اکثر موقعے ایسے آئے کہ ملا معین الدین کے بھیجے ہوئے علماء کے سوالات پیش ہونے کی نوبت بھی نہیں آنے پاتی، امام علیہ السلام بیانِ قرآن کے دوران ہی اُن سوالات کا تشفی بخش حل فرما دیا کرتے تھے۔ اس کا اُن علماء پر بھی بہت زیادہ اثر ہونے لگا۔ ملا معین الدین سے عاجزانہ التماس کیا کہ ہمارا علم عاجز ہو گیا ہے، آپ خود چلیں۔ لیکن ملا معین الدین کو جراءت نہ ہوئی۔ ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ امام علیہ السلام راستہ سے گزر رہے تھے، کسی نے عرض کیا کہ ملا معین الدین کا گھر یہی ہے۔ اُن کو اطلاع دینے کے لیے ارشاد فرمایا تا کہ ملاقات ہو جائے۔ ملا معین الدین کو خبر ملتے ہی گھر کی دیوار پر بیٹھکر کہلوا دیا کہ گھر میں نہیں ہیں۔ موضع کی طرف سوار ہو کر گئے ہیں۔ آپؑ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "وہ ایسی سواری پر ہیں کہ جس کے ذریعہ کبھی منزل کو نہیں پہنچ سکتے"۔ آگے روانہ ہو گئے۔ ملا معین الدین نے جھوٹ سے بچنے کے لیے جو حیلہ اختیار کیا، اس سے بھی اُن کی ذہنیت اور دینداری پر روشنی پڑ رہی ہے۔

غرض اس قدر پشیمانی و پریشانی کی حالت میں امام علیہ السلام کے دورانِ قیام عناد کا سلسلہ اپنی طرف سے اور حکومت میں رسوخ ہونے کی وجہ سے حکامِ وقت کے ذریعہ سے جاری رکھا۔

ایک دفعہ ملا معین الدین نے شاگرد علماء کے ذریعہ چار سوالات روانہ کیے تھے۔ اُن میں سے ایک سوال یہ تھا:-

" قَالَ اللّٰہِ تَعَالٰی:- وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ "یعنے بندہ ہیچ نمی خواہد مگر آں را خدا یتعالٰی می خواہد پس باید کہ ہر چہ بندہ می خواہد بشود۔ بسیار چیز است کہ بندہ می خواہد نمی شود"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ پس لازم ہوا کہ بندہ جو چاہے پورا ہو جائے۔ حالانکہ بسا اوقات، بندہ جو چاہتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا:-

کسے کہ اندک در علمِ شریعت واقف باشد ایں چنیں سوال نہ کند معنی ایں آیت اینست کہ چنانچہ افعال و اقوالِ بندگان، بجز مشیتِ حق تعالٰی نیست ہمچناں خاطر و آرزو ہائے بندہ بے ارادت و مشیتِ حق تعالٰی نیست۔ (نقلیاتِ بندگی میاں عبدالرشیدؓ) یعنی جو شخص، علمِ شریعت سے تھوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہو، ایسا سوال نہیں کرے گا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بندوں کے افعال و اقوال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہیں اِس طرح ارادے اور آرزوئیں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ افعال و اقوال کے لیے ارادہ مقدم ہے، خواہ محسوس ہو یا نہ ہو، اس لیے امام علیہ السلام نے ایک انتہائی بنیادی بات واضح فرما دی کہ جس طرح بندہ کے ہر کام و ہر کلام کا صادر ہونا یا نہ ہونا اور اُس کا پورا ہونا یا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ اِسی طرح کسی ارادے اور آرزو کا صادر ہونا یا نہ ہونا اور اُس کا پورا ہونا یا نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ بندہ جو چاہتا ہے وہ بھی مشیت ہی سے ہے اور اس کا پورا نہ ہونا بھی مشیت ہی سے ہے۔ اِسی لیے امام علیہ السلام نے ضدی سائل کو علمِ شریعت سے نابلد بھی قرار دیا ہے۔ امام علیہ السلام کے جواب کی تائید میں قرآنِ مجید کی اور کئی آیات بھی ہیں۔ یہاں چند درج کی جاتی ہیں۔

(1) "لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ"(سورۃ اٰل عمران۔128)

ترجمہ:- تیرے ہاتھ میں کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔

(2) "قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ ط"(سورۃ اٰل عمران۔154)

ترجمہ:- کہو کہ اختیار پورا پورا اللہ ہی کو ہے۔

(3) "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿23﴾" (سورۃ الکھف۔23)

ترجمہ:- کسی چیز کے متعلق ہرگز ایسا نہ کہو کہ میں کل وہ کرنے والا ہوں (تمہارا ارادہ پورا نہیں ہو سکتا) مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اِسی لیے بزرگانِ دین وصالحینِ خیرِ اُمت کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام اور ہر کلام کے بارے میں جو آیندہ سے تعلق رکھتا ہو، کلمۂ "انشاء اللہ" ضرور کہا کرتے ہیں۔!!

غرض اس سوال کے جواب میں امام مہدی علیہ السلام نے "مشیت" کا لفظ جو ارشاد فرمایا بہت نازک تفہیم کا حامل ہے۔ نہ صرف ملا معین الدین کی پیدا کردہ مشکل کا حل بلکہ جبر وقدر اور سزاء وجزا کے مسائل کا حل بھی اُسی میں موجود ہے۔!! جبر وقدر" اور "سزاء وجزا" کے بارے میں علمائے نصاریٰ ویہود وہنود بھی صدیوں قبل سے سرگرداں رہے ہیں بڑی بڑی نازک و نازک وپیچیدہ بحثیں پیدا کی ہیں لیکن مسئلہ حل کرنے میں ناکام رہے "تناسخ" وغیرہ عقایدِ باطلہ میں مبتلا ہو گئے۔ علمائے اسلام میں خصوصاً متکلمین نے بھی بہت سی موشگافیاں کی ہیں۔ ہر ایک نے قرآن کی آیات ہی سے استدلال کرنے کی کوشش کی۔ اور جو آیات اپنے مفیدِ مطلب نظر نہ آئیں اُن آیات میں اپنے اپنے موافق تاویلات پیدا کرنے کی کوشش کی ہیں ۔ دہریوں کے جوابات ادا کرنے میں بھی کافی مشقتیں برداشت کی ہیں۔ لیکن کوئی متفقہ حل نہیں نکال سکے۔ بجائے اتحادِ رائے کے اختلافِ رائے میں شدت پیدا ہو گئی۔ "جبریہ"، "قدریہ" وغیرہ فرقے، اپنے اپنے نظریات کے تحت عقاید کے پابند ہو گئے۔ علمائے جبریہ وقدریہ وغیرہ کی بحثیں اس کی شاہد ہیں۔ ہر ایک افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔ منشائے فرمانِ خدائے تعالیٰ سے قریب ہونے کے بجائے کوسوں دور ہو گئے ہیں۔ ان کے نظریات، ان کی بحثوں اور دلائل کو پیش کرنا موجبِ طوالت ہو گا اور اِن بحثوں میں الجھنوں اور اختلافات کا علم حاصل ہونے کے سوائے کوئی افادیت بھی عام ناظرین کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے صرفِ نظر کیا ہے۔!

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی آج کیا ہے؟ فقط اِک مسئلہ علمِ کلام (اقبال)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نسبت یقینِ تام پیدا فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور چیلنج بھی دیا کہ کوئی اس کی چھوٹی سی چھوٹی "سورۃ" کے مانند عبارت پیش نہیں کر سکتا۔ یہ چیلنج آج تک باقی ہے۔ قیامت تک قرآن کے کلام اللہ ہونے کی "حجتِ قاطعہ" کی حیثیت سے باقی رہے گا۔ نیز یقین پیدا فرمایا کہ اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ کتاب "نورِ مبین" ہے۔ نیز فرمایا کہ "ذکر للعالمین" یعنے تمام عالموں کے لئے نصیحت ہے۔ اس لیے ہر انسان کا فرض ہو جاتا ہے کہ ایمان لائے تقویٰ پیدا کرے۔ قرآن کے نورِ ہدایت سے نصیحتیں حاصل کرے۔ اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرنے " تُخَلِّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ " (اللہ کے اخلاق پیدا کرو) کا مصداق بننے مقربین واصحابِ یمین میں شامل ہونے کی جدوجہد کرے۔ اس کے بجائے فلسفہِ یونان وغیرہ کے اصول و نظریات سامنے رکھ کر فلسفیانہ مباحث اور تنقیدات و تاویلاتِ بعیدہ میں مبتلا ہونا، قرآن کے حقیقی مقصد سے بے بہرہ ہو جانے کا باعث ہوتا ہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ☆☆☆ عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ (اقبال)

کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے جو مظاہر پائے جاتے ہیں آسمان، سورج، چاند، ستارے، سیارے اور بے شمار عالم ہائے افلاک اور اُن میں سے ہر ایک کے جزئیات اور اُن کے نظام ہائے عوامل، زمین کی خشکی و تری کے لاتعداد موجودات جن میں ہزاروں قسم کے جمادات، لاکھوں قسم کے نباتات، کروڑوں قسم کے حیوانات وجراثیم ان میں سے ہر ایک کے جزئیات اور اُن کے نظام ہائے وجود وحیات، برق واثیر کے کرشمجات کی حقیقت

اور ان کے اسباب و اغراضِ پیدائش کا کماحقہ انکشاف، طاقتِ بشری سے ممکن نہیں۔ اِسی لیے قرآنِ مجید میں اِن سب موجوداتِ عالم کو اللہ تعالیٰ کی آیات قرار دیا گیا ہے۔

تواں در بلاغت بسحباں رسید
نہ در کنبہ بیچون سبحاں رسید (حضرتِ سعدی)

یعنی بلاغت میں سحبان کے جیسے وحید العصر صاحبِ بلاغت کے علم تک رسائی ممکن ہے لیکن بے مثل سبحان کے کنبہ میں رسائی محال ہے۔

البتہ ان موجودات میں قدرت کے جو مظاہر نظر آتے ہیں، عقل و ہوشِ نوری رکھنے والے کے لیے خالقِ کائنات جل شانہٗ کی معرفت و اطاعت کا سبب بنتے ہیں۔ خواہ یہ معرفت و اطاعت کسی بھی درجہ کی اور کسی بھی منزل کی ہو!!!

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر یست معرفتِ کردگار

درخت کا ہر پتا ہوشِ نوری رکھنے والے انسان، خدائے تعالیٰ کی معرفت کا ایک دفتر نظر آتا ہے۔ خود دنیائے انسانیت میں باعتبارِ "جنس" تمام انسانوں اور باعتبارِ "نوع" ہر مرد و عورت کے وجود میں جو علاماتِ قدرت ہیں، اُن کی پیدائش کی حقیقت کو بھی سمجھنا مشکل ہے۔ ہر مرد و عورت میں صورت کا فرق، آواز کا فرق، دماغی قوتوں کا فرق، جسمانی اعضاء کے تناسب کا فرق، اعضاء کے کامل الخلقت و ناقص الخلقت ہونے کا فرق، عشرت و عسرت کا فرق، صحت و مرض اور عمر کا فرق اور سیرت و کردار وغیرہ کا جو فرق پایا جاتا ہے، اُس کے اسباب و علل کی حقیقت معلوم کرنا بھی محال ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:-

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾ (سورۃ الکھف۔109)

ترجمہ:- اے رسولؐ! اُن سے کہو اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر (لکھنے کی) روشنائی بن جاتا تو میرے رب کے کلمات (کا بیان) پورا ہونے سے پہلے ہی سمندر خشک ہو جاتا خواہ ہم ایسے ہی ایک اور سمندر کی روشنائی مدد کے لیے لاتے (تو اُس وقت بھی میرے رب کے کلمات پورے نہ ہو سکتے تھے) نیز فرمایا ہے:-

"يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ (سورۃ البقرہ۔255)

ترجمہ:- یعنی جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے، سب کچھ اللہ جانتا ہے مگر لوگ اللہ کے علم سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، بجز اُن باتوں کے جن کا علم اللہ خود اُن کو بخشنا چاہے۔ اللہ کی حکومت آسمانوں اور زمین میں چھائی ہوئی ہے۔

قرآنِ مجید میں ایسی بہت سے آیات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، اپنے اختیار اور اپنے علم و ارادہ کی شان کی طرف انسانوں کو متوجہ فرمایا ہے۔ مثلاً

(1) "اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا" (سورۃ البقرہ۔165)

ترجمہ:- بے شک قوت پوری کی پوری اللہ کے لیے ہے۔

(2) "وَمَا هُمْ بِضَآ رِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط " (سورۃ البقرہ۔102)

ترجمہ:- وہ اپنے اس جادو کے ذریعہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے۔

(3) "قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ "﴿16﴾ (سورۃ الرعد۔16)

ترجمہ:- کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہی قہار ہے۔

(4) "مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط (سورۃ الحدید۔22)

ترجمہ:- کوئی مصیبت دنیا میں یا تمہارے نفوس میں نہیں پہنچی مگر یہ کہ وہ ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو ظہور میں لائیں۔

(5) "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط " (سورۃ النساء۔78)

ترجمہ:- کہو سب کچھ اللہ ہی کیطرف سے ہے۔

(6) "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ " (سورۃ القمر۔49)

ترجمہ:- ہم نے ہر چیز اندازہ کے موافق پیدا کی ہے۔

(7) لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ط (سورۃ الشوریٰ۔12)

ترجمہ:- آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اندازہ کے موافق دیتا ہے۔

(8) وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ط (سورۃ الشوریٰ۔27)

ترجمہ:- اور لیکن وہ جو چاہتا ہے اندازہ کے موافق نازل کرتا ہے۔

بعض آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت وضلات بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ مثلاً فرمایا:-

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط (سورۃ البقرہ۔26)

ترجمہ:- اللہ اُس کے ذریعہ سے بہت ساروں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت ساروں کو ہدایت دیتا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (سورۃ الانعام۔125)

ترجمہ:- پس اللہ کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ط وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾ (سورۃ الانعام)

ترجمہ:- اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔

وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ط (سورۃ المائدہ۔41)

ترجمہ:- جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے اسے تم اللہ سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔

وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿99﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (سورۃ یونس۔100)

ترجمہ:- اگر تمہارا رب چاہتا تو دنیا کے پورے کے پورے انسان ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مؤمن بن جانے پر مجبور کروگے۔ حالانکہ کوئی آدمی اللہ کے حکم کے بغیر مؤمن نہیں بن سکتا۔

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ سَبِيْلاً ﴿88﴾ (سورۃ النساء)

ترجمہ:- کیا تم اُس شخص کو ہدایت بخشنا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ کیا ہو، حالانکہ جس کو اللہ گمراہ کیا ہو، اس کے لیے کوئی راہ نہیں پا سکتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ (سورۃ مریم)

ترجمہ:- کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم نے شیاطین کو اُن کافروں کے لیے بھیجدیا ہے وہ اُن کو خوب بھڑکا رہے ہیں۔

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ط ﴿4﴾ (سورۃ النمل۔)

ترجمہ:- ہم نے اُن کے اعمال کو اُن کے لیے خوشنما بنادیا ہے پس وہ بھٹک رہے ہیں۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿101﴾ (سورۃ الانعام۔101)

ترجمہ:- اُسی نے ہر چیز پیدا کی ہے اور ہر چیز کو وہی جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت اور اپنی مشیت وحکومت پر اعتقاد رکھنے کی ہدایت بھی واضح طور پر فرمادی ہے چنانچہ فرماتا ہے:-

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾ (سورۃ اٰل عمران)

ترجمہ:- کہو کہ اے خدا! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھینتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ نیکی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ل اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ل وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ:- لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے سوائے دوسروں کو معبود بنالیتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے ہونی چاہیے حالانکہ جو لوگ ایمان لانے والے ہیں اللہ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں۔ کاش کہ یہی بات ظالم لوگوں کو سوجھ جاتی جس وقت عذاب دیکھیں گے محسوس کرینگے کہ قوت کا مالک صرف اللہ ہی ہے۔ اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿8﴾ ط رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿9﴾ (سورۃ المزمل)

ترجمہ:- اپنے رب کا ذکر کر اور سب سے ٹوٹ کر اللہ ہی کا ہو جا۔ وہ مشرق ومغرب کا رب ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ پس تو اُسی کو اپنا کارساز بنالے۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿107﴾
(سورۃ البقرہ)

ترجمہ:- کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے اور تمہارے لیے اللہ کے سوائے کوئی ولی و مددگار نہیں ہے۔

قُلۡ لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿51﴾ (سورۃ التوبہ)

ترجمہ:- کہو ہم پر ہرگز مصیبت نہیں آسکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے نصیب میں لکھدی ہے۔ وہی ہمارا مولیٰ ہے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ كُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ (سورۃ اٰل عمران۔154)

ترجمہ:- وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کے متعلق کسی تدبیر میں ہمارا دخل ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ اُن سے کہو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں کی قسمت میں قتل ہونا لکھدیا گیا تھا وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

وَ مَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ (سورۃ اٰل عمران۔145)

ترجمہ:- اور کوئی شخص اِذن کے بغیر مر نہیں سکتا۔ موت کا وقت لکھا ہوا مقرر ہے۔

قرآنِ مجید کی بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار بھی عطا فرمایا ہے۔ ہدایت قبول کرنا یا نہ کرنا نیک یا بد بننا انسان کے اختیار میں ہے۔ اللہ نے نیکی کا حکم دیا ہے۔ بدی سے منع فرمایا ہے۔ نیکی اختیار کرے تو جزا پائے گا۔ بدی اختیار کرے گا تو سزا پائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

یَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ اَنَابَ ﴿27﴾ (سورۃ الرعد)

ترجمہ:- جو کوئی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔

فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿20﴾ۙ (سورۃ الانشقاق)

ترجمہ:- انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ (سورۃ المنکبوت۔69)

ترجمہ:- اور جو لوگ ہماری طلب میں جد وجہد کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًی ۔۔۔ الخ (سورۃ محمد۔17)

ترجمہ:- جو لوگ ہدایت قبول کرتے ہیں اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے۔

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَكۡفُرۡ ۙ (سورۃ الکہف۔29)

ترجمہ:- جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے ایمان نہ لائے۔

وَ هَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿10﴾ۚ (سورۃ البلد)

ترجمہ:-ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴿3﴾ (سورۃالدھر)

ترجمہ:-ہم نے اس کو راستہ دکھلایا ہے چاہے تو شکر گذار بنے اور چاہے تو ناشکر گذار بن جائے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ﴿39﴾ (سورۃالنجم)

ترجمہ:-اور یہ کہ انسان جو کوشش کرے گا وہی پائے گا۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾ (سورۃامدثر)

ترجمہ:-جو کوئی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ﴿26﴾ (سورۃالبقرہ)

ترجمہ:-اور وہ اس قرآن کے ذریعہ صرف بدکاروں کو گمراہ کرتا ہے۔

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (سورۃابراھیم۔27)

ترجمہ:-اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (سورۃالنساء۔155)

ترجمہ:-بلکہ اللہ نے اُن پر اُن کے کفر کی وجہ سے مہر لگادی ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿7﴾ (سورۃالزلزال)

ترجمہ:-جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کا نیک اجر دیکھ لے گا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (سورۃالبقرہ۔286)

ترجمہ:-جو نیکی اُس نے کمائی اُس کا فائدہ اُس کے لیے ہے اور جو بدی اُس نے اختیار کی اُس کا وزن اُسی پر ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (سورۃالجاثیۃ۔15)

ترجمہ:-جو کوئی نیک کام کرے گا اُس کا فائدہ خود اُس کے لیے ہے۔اور جو کوئی برا کام کرے گا اُس کی سزا خود اُس پر لازم ہو گی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿53﴾ (سورۃالانفال)

ترجمہ:-یہ اُسی وجہ سے ہے کہ اللہ اُس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو دی گئی ہو۔جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی۔اور یہ کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ (سورۃالبقرہ۔28)

ترجمہ:-تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ دراں حالیکہ تم بے جان تھے اللہ نے تم کو زندہ کیا۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (سورۃالنساء۔123)

ترجمہ:-جو برا عمل کرے گا اُس کے مطابق بدلہ پائے گا۔

هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿90﴾(سورۃ النمل)

ترجمہ:-کیا تمہیں اس کے سوا کوئی اور بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو؟

وَ سَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (سورۃ اٰل عمران۔133)

ترجمہ:-اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔

اَجِيۡبُوۡا دَاعِىَ اللّٰهِ (سورۃ الاحقاف۔31)

ترجمہ:-اللہ کی طرف بلانے والے و داعی اِلی اللہ کو قبول کرلو۔

وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰٮهُ (سورۃ الکھف۔28)

ترجمہ:-اور ایسے شخص کی بات نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرلی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ وہ بندوں پر جبر و ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ﴿46﴾(سورۃ حٰم السجدۃ)

ترجمہ:-اور تیرا رب بندوں کے لیے ہر گز ظالم نہیں ہے۔

وَ مَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿108﴾(سورۃ اٰل عمران)

ترجمہ:-اور اللہ دنیا والوں کے لیے ہر گز ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ (سورۃ الشوریٰ۔30)

ترجمہ:-تم پر جو مصیبت آتی ہے تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴿44﴾(سورۃ یونس)

ترجمہ:-بے شک اللہ اُن لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا اور لیکن وہ خود اپنے پر ظلم کرتے ہیں۔

لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ قف قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ يُؤۡمِنۡ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۗ (سورۃ البقرہ۔256)

ترجمہ:- دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممیز کر کے بیان کر دیا گیا ہے۔ پس جو شیطان سے کفر کرے گا اور اللہ پر ایمان لائے گا پس اُس نے بہت بڑا سہارا تھام لیا۔

لَـكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ع ﴿6﴾ (سورہ الکافرون)

ترجمہ:-تمہارا دین تم کو ہمارا دین ہم کو۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ (سورۃ البقرہ۔286)

ترجمہ:-اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے مگر اتنی ہی جتنی اُس میں وسعتِ برداشت ہو۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ط (سورۃ التوبہ۔115)

ترجمہ:- اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اُسے گمراہ کردے۔ جب تک کہ اُن کو یہ نہ بتادے کہ انہیں کس بات سے بچنا ہے۔

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (سورۃ النسآء۔79)

ترجمہ:- ہر بھلائی جو تمہیں حاصل ہوتی ہے اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور ہر برائی جو تمہیں پیش آتی ہے وہ تمہاری ہی وجہ سے ہوتی ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی شان میں "ظلم" کا اطلاق "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ" ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی کی ذات پر یا کسی کے مال و جائداد میں "بے جا تصرف" کو "ظلم" کہتے ہیں۔ لیکن مال و جائداد کا جو مالک ہے خود اُس کو حق و اختیار حاصل ہے کہ جیسا چاہے تصرف کرے۔ کسی کے گھر کی دیوار کو اگر کوئی شخص بغیر کسی حق کے جبراً ڈھادے تو ظالم قرار پائے گا۔ حکومتِ وقت بھی اس کو سزا دے گی۔ لیکن اگر گھر کا مالک خود اپنی مصلحت و ضرورت کے تحت اپنے صوابدید پر گھر کی دیوار یا پورا گھر بھی ڈھادے تو اُس کو ظالم نہیں کہا جائے گا۔

جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، "مُنَزَّهٌ عَنِ التَّشْبِيْهَاتْ" "خَالِقُ الْكُلْ" اور "مَالِكُ الْمُلْكْ" ہے تو اُس کو اختیار ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ کسی بندۂ خدا کو چوں و چرا کی مجال نہیں ہو سکتی!!

اس اختیار و قدرت کے باوجود اور "ظلم" کا اطلاق کسی حیثیت سے بھی صادق آنا، محال ہونے کے باوجود، اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر واضح فرمایا ہے کہ "اللہ ظالم" نہیں ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں "جبر" نہیں ہے۔ ہدایت و ضلالت دونوں سے تم کو آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اگر ہدایت اختیار کروگے تو جزا پاؤ گے۔ اگر ضلالت اختیار کروگے تو سزا پاؤ گے۔ اب تمہارا اختیار ہے جزا حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کرو یا سزا پانے کا۔!!!

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسانِ عظیم سے بھی انسانوں کو آگاہ فرمادیا ہے کہ:-

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿160﴾ (سورۃ الانعام)

ترجمہ:- جو شخص ایک نیکی لائے گا اُس کو ویسی دس نیکیوں کا اجر دیا جائے گا۔ اور جو شخص ایک بدی لائے گا اس کو اتنی ہی سزا دی جائے گی اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ وہ چاہے تو کسی بندہ کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور چاہے تو کسی بندہ کے گناہوں پر غضب فرماتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ "عَلِيْمٌ مَّا فِي الصُّدُوْرْ" یعنے دلوں میں جو ہے اُس کا جاننے والا ہے۔ لیکن انسان کو اس قدرت کا کمال قطعی طور پر حاصل نہیں ہے۔ مثلاً مفتی استفتاء صورت مسئول عنہا پر سے حسبِ احکامِ شرع شریف فتویٰ صادر کرتا ہے۔ لیکن نیت اور دلوں کے حال کی حقیقت نہ تو جان سکتا ہے اور نہ اس کے لیے حسبِ احکامِ دین یہ جاننے کی ضرورت ہے۔ وہ تو جو ظاہر ہے اُس پر حکم عاید کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی بر تقدیرِ صدقِ قولِ مستفتی کی شرط بھی عاید کرتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ بندہ کے صدور، اقوال و افعال کی حقیقت اور نیت کے جاننے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس لیے اپنی اِس قدرتِ علم کے لحاظ سے نیک یا بد ہونے کا حکم صادر فرماتا ہے۔ اس لیے جس کو مفتی نے اگرچہ بظاہر بجا طور پر فاسق و فاجر قرار دیا ہو، لیکن واقعہ کی حقیقت اور نیت کے نیک ہونے کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس کو بخش دے گا۔ اسی طرح مفتی جس کو صالح و مومن قرار دے اس کے دل کی منافقت اور باطن کے شرک و کفر کے علمِ حقیقی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اس کا بیانِ مبین بھی موجود ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ط وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿284﴾(سورۃ البقرہ)

ترجمہ:-جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور اگر تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے اللہ تمہارے اس عمل کا حساب کرے گا۔ پس جس کو چاہے بخش دے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز "صدقِ دل" سے توبہ کرنے اور رجوع الی اللہ ہونے کو بھی گناہوں کی بخشش کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے "اَلتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ "(توبہ کا قبول کرنے والا رحیم) اپنی شان بھی بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے ہدایت فرماتا ہے:-

وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ..الخ(سورۃ اٰل عمران۔133)

ترجمہ:-اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ع ﴿3﴾(سورۃ النصر۔3)

ترجمہ:-پس اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھو اور اُس سے گناہوں کی مغفرت چاہو بے شک وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

واضح ہو کہ کلام اللہ کی جتنی نوعیتیں اس ضمن میں ہم نے پیش کی ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کئی طریقوں سے ہدایت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اِس احسانِ عظیم کو سمجھے اور اُس کی خالقیت، ربوبیت، علمیت، مشیت، اور قدرت کا اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو اختیار انسان کو عطا فرمایا ہے مجبورِ محض نہیں بنایا ہے، اُس کا بجا طور پر استعمال کرے۔ اس کے بھیجے ہوئے خلیفوں پر اور اُن کے ذریعہ جو تعلیمات نازل کی گئی ہیں اُن پر ایمان لائے اور اُن پر عمل کرے۔ اُس محسنِ حقیقی سے محبت و عشق پیدا کرے اس کے قرب و لقاء یعنے دیدار سے مشرف ہونے کے طریقے اختیار کرے۔

لیکن جن لوگوں کو قرآن کے اُسلوبِ بیان اور قرآن کی آیات کے نزول کی شان کا علم نہیں ہے، اُن کو شبہ ہوتا ہے کہ قرآن میں اختلافات اور متضاد بیانات ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ حالانکہ یہ نفس یا شیطان کا محض دھوکہ ہے ورنہ معمولی سمجھ کے آدمی کے لیے بھی یہ بات کافی ہو سکتی ہے کہ قرآن، اللہ کا کلام ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا!! چونکہ قرآن، اللہ کا کلام ہے اس لیے اُس کو تضاد و تناقص وغیرہ نقایص سے بری ماننا بھی لازم ہوا۔

مہدیٔ موعودؑ، بینۃ اللہ، مبین القرآن کی شان تو یہ ہے کہ آپؑ نے قرآن کی بعض آیات کو "منسوخ" ماننا بھی باطل قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید "ناسخ" ہے۔ اُس کا کوئی جز بھی "منسوخ" نہیں ہو سکتا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جن آیات کو منسوخ قرار دیا جائے، اُن آیات کو قرآن میں باقی بھی رکھا جائے!! اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ کسی موقع پر بیان کی جائے گی۔ لہٰذا کسی کو اگر جبر و قدر کے تعلق سے قرآنِ مجید میں " تناقض " کی جیسی کوئی بات بظاہر محسوس ہو تو اُس کو اپنی نظر اور اپنی عقل و فراست کا قصور سمجھنا چاہیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿3﴾ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ...الخ(سورۃ البقرہ۔3)

ترجمہ:-اس کتاب میں شک کی کوئی بات نہیں ہے یہ کتاب اُن لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

اس اصول کے بر خلاف، انسانی تالیفات و تصنیفات کے اصول کو قرآن پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ گمراہ کن بے اُصولی ہو گی۔ کیونکہ

اس سے کلام اللہ میں "کلامِ الناس" کی مطابقت دیکھنا لازم آئے گا۔ جو صریحاً باطل ہے۔ قرآنِ مجید کوئی تصنیف یا تالیف نہیں ہے بلکہ 23 سال میں نازل شدہ ہدایات واحکام پر مشتمل کلامِ الٰہی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور جبر وقدر کے بارے میں بھی جس قدر بیان فرمایا ہے ایک بڑے سے بڑے عالم سے لے کر ایک عاقل وبالغ عام انسان کے لیے بھی کافی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ "نورِ ایمان" سے مشرف ہو۔!! اسی لیے امامنا حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے:-

"برائے فہمیدنِ قرآن، نورِ ایمان بس است"!! ترجمہ:- قرآن کو سمجھنے کے لیے نورِ ایمان کافی ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مشیت وقدرت کے بارے میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے جتنا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس سے آگے اس سے زیادہ کی کھوج لگانا اور فلاسفہ کے اُصول و نظریات کے تحت قرآن میں غور و تفحص کرنا محض فعلِ عبث بلکہ باعثِ خسرانِ دو جہاں ہے۔!!! چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعاء قرآنِ مجید میں بیان ہوئی ہے:-

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ (سورۃ ھود۔47)

ترجمہ:- نوحؑ نے کہا! اے پروردگار! بے شک میں ایسا سوال کرنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کا (نامناسب سوال ہونے کا) مجھے علم نہ ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ (سورۃ اٰل عمران۔7)

ترجمہ:- جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے وہ لوگ اُن آیات کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو متشابہ ہیں اور اُن کے بارے میں فتنہ و تاویل کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ حالانکہ اُن آیاتِ متشابہ کی قطعی تاویل بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور راسخین فی العلم کہتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم نے اس پر ایمان لایا۔

بعض ائمۂ مجتہدین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ "راسخین فی العلم" بھی "اٰیٰتِ متشابہ" کی تاویل جانتے ہیں یا نہیں۔

وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کے بارے میں "حنفیہ" کہتے ہیں کہ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ جملہ پورا ہو چکا۔ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا دوسرا جملہ ہے۔ اس "ترکیبِ نحوی" سے معنی یہ ہوئے کہ "آیاتِ متشابہ" کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ راسخ فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم نے اس پر ایمان لایا۔!!

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور عامہ معتزلہ کہتے ہیں کہ "وَالرّٰسِخُوۡنَ" کا عطف "وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ" پر ہے اور "یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا" دوسرا جملہ ہے جو "الۡعِلۡمِ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ" کی صفت واقع ہوا ہے۔ اس ترکیبِ نحوی سے معنی یہ ہوئے کہ:-

آیاتِ متشابہ کی تاویل بجز اللہ اور اُن راسخین فی العلم کے کوئی نہیں جانتا جو کہتے ہیں جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم نے اُس پر ایمان لایا۔!!

حنفیہ کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ راسخین فی العلم بھی آیاتِ متشابہ کی تاویل نہیں جانتے اور شافعیہ کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ راسخین فی العلم

بھی آیاتِ متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔

اس اختلاف کی تطبیق، صاحبِ "نور الانوار" نے اس طرح بیان کی ہے کہ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ راسخین متشابہ کی تاویل جانتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ وہ "ظنی تاویل" جانتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ راسخین تاویل نہیں جانتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قطعی تاویل نہیں جانتے جو واجب الاعتقاد ہو"۔

بہر حال یہ ثابت ہے کہ قطعی تاویل صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا اُس کا خلیفہ اسی حد تک جانتا ہے جو کہ اس کو معلوم کی گئی ہو۔ مسئلہ جبر و قدر کی بھی یہی صورت ہے۔ غرض یہ کہ "تقویٰ" اور یقین دینیات کی بنیاد ہے۔ ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

"ایک مرتبہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر سید الشہدا معرکۂ بدرِ ولایت رضی اللہ عنہ نے صحابۂ مہدی موعودؑ سے بطورِ امتحان ایک گھانس کی کاڑی اٹھا کر سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ سب نے کہا "یہ کاہ ہے" آپؑ نے کہا اگر اس کو مہدی موعودؑ نے "شاہ" فرمایا ہے تو آپ حضرات کیا کہیں گے؟ سب نے کہا ہماری نظر کا قصور سمجھیں گے اور "شاہ" ہی کہیں گے۔ پھر آپ نے کنکر اٹھا کر سوال کیا، یہ کیا ہے؟ سب نے کہا یہ کنکر ہے۔ آپ نے کہا اگر مہدیٔ موعودؑ نے اس کو "گوہر" فرمایا ہے تو آپ کیا کہیں گے سب نے کہا ہماری نظر کا قصور سمجھیں گے اور "گوہر" ہی کہیں گے۔

واضح باد کہ اس روایت کے بارے میں کسی کو درائیت کی عدم مطابقت کا شبہ ہو تو اس روایت کے الفاظ "بطورِ امتحان" اور "اگر" "اگر" سے یہ شبہ مرتفع ہو جاتا ہے اور صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس سے یقین و تقلید کی جانب توجہ مبذول کرنا مقصود ہے جو ضروریاتِ دین سے ہے، صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی رہا ہے کہ:-"ہست" تقلید" ہم از اسمائے عشق!!"

غرض یہ کہ مسئلہ "جبر و قدر" کی کھوج میں پڑنا، منشائے قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اس لیے حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ میں مباحثہ و مجادلہ اور کھوج لگانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ روایت ہے:-

"ایک وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں جبر و قدر کے مسئلہ میں بحث کر رہے تھے۔ اتنے میں حضرت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ یہ گفتگو سن کر اس قدر جلال میں آگئے کہ رخِ انور سرخ ہو گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، کیا انہی باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے؟ کیا اسی لیے میں تم میں بھیجا گیا ہوں" ایسی ہی باتوں کی وجہ سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔ میرا حکم یہ ہے کہ اس مسئلہ میں جھگڑا نہ کرو"۔

یہ روایت مختلف طریقوں سے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العائصؓ سے مروی ہے۔

اسی لیے اکابرِ محدیثین و فقہاء و محققینِ اہلِ سنت رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے یہ اعتقاد اختیار کیا کہ وَلَقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ:- میں نے ایمان لایا اس بات پر بھی کہ خیر اور شر کی تقدیر بھی اللہ کی طرف سے ہے۔

کیونکہ "جبر و قدر" کی من مانی بحث و تمحیص اور فلسفیانہ الجھنوں میں مبتلا ہونا، ضروریاتِ دین سے نہیں ہے۔ لیکن صریح ممانعت اور سخت وعید کے باوجود جن لوگوں نے "جبر و قدر" کی من مانی بحث پیدا کی اور اس قدر شدت اختیار کی کہ "جبریہ" و "قدریہ" وغیرہ جماعتوں میں منقسم ہو گئے اور اپنے اپنے نظریات کے مطابق اعتقاد کے پابند ہو گئے۔ اور اپنی اپنی تائید میں قرآنِ مجید کی آیات میں تاویلاتِ بعیدہ و باردہ و باطلہ کے مرتکب ہوئے۔ کیا یہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان و منشائے قرآن کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف حکم فرمایا ہے کہ:-

وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر۔7)

ترجمہ:- رسول تمہارے پاس جو کچھ لائیں اس کو اختیار کرو اور جس سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو۔

حاصلِ کلام یہ کہ ملا معین الدین پٹنی نے بھی اپنے سوال کے ذریعہ "جبر و قدر" کی جیسی بحث چھیڑنی چاہی تھی اسی لیے امامنا حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

کسے کہ اندک در علمِ شریعت واقف باشد ایں چنیں سوال نہ کند۔

ترجمہ:-جو شخص علمِ شریعت سے تھوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہو ایسا سوال نہیں کرے گا!!!

اس سے قبل ایمانِ مفصل کا فقرہ "وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ" کا ذکر ہوا ہے اس میں "قدر" کا جو لفظ آیا ہے اس کی اور اس کے بعض مشتقات کی تشریح کی ضرورت ہے تاکہ اصل مسئلہ کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ عربی زبان میں اور قرآنِ مجید میں "قدر" کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:-اندازہ-مقدار-طاقت-وسعت-کمی کرنا-لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا۔ ازلی فیصلہ یعنے اللہ کا حکم "نالے "اپنی مقدار کے موافق یا زمین کی ضرورت کے مطابق بہہ نکلنا۔ مالی گنجایش-فراخی-عظمت و مرتبہ یا معرفت-برکت-"قدر" لازم بھی استعمال ہوا ہے، متعدی بھی۔ پہلی صورت میں معنے ہونگے۔ طاقت رکھا" غالب ہوا"" قادر ہوا"" قابو والا ہوا" دوسری صورت میں معنے ہونگے علمی اندازہ کیا" تعظیم کی"" حکم دیا"" وقت مقرر کیا ""روزی تنگ "کی۔

قادر:-"قدرت رکھنے والا" قدرت کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو کسی کا عجز لازم نہیں آتا کیونکہ اُس کی ذات قادرِ مطلق ہے چونکہ انسان کی قدرت ناقص ہے اور عجز بھی اس میں پایا جاتا ہے اس لیے انسان کو مطلقاً قادر نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ جس چیز پر انسان کو قدرت ہے، اس کے ذکر کے ساتھ قادر کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً احسان کرنے پر قادر ہے۔ قتل کرنے یا چوری کرنے پر قادر ہے۔ کسی مفعول کی ایسی صراحت کے بغیر از روئے شرعِ شریف کسی انسان کو مطلقاً قادر یا قدیر نہیں کہا جاسکتا۔

قدیر:-"صفتِ مشتبہ" ہے۔ اس کے معنی ہیں، حکمت کے مطابق جو چاہے کرنے والا۔ یہ قدرت کسی انسان میں بھی بدرجۂ کمال مطلقاً نہیں پائی جا سکتی۔ اس لیے بجز خدا کے کسی کو قدیر نہیں کہہ سکتے۔ اصطلاحِ شرع میں قدیر کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوا ہے۔ قرآنِ مجید یا احادیثِ شریفہ میں کسی جگہ کسی انسان یا فرشتے یا جن یا کسی بھی مخلوق پر قدیر کا اطلاق نہیں پایا جاتا۔ اس لیے کسی انسان کو قدیر کہنا جائز نہیں ہے۔

تقدیر:-"تَفْعِيْلٌ" کے وزن پر مصدر ہے۔ "قَدْرٌ" اور "تَقْدِيْرٌ" دونوں کے معنی، "اندازہ کرنا"۔ "کسی چیز کی کمیت اور مقدار کا بیان کرنا" ہیں۔ تقدیر کا لفظ "قدرت عطا کرنے۔ ازل میں حکم دینے یا مقرر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

بنظرِ اختصار کتب لغات اور قرآن مجید کی آیات و کتبِ تفاسیر کے حوالے نہیں پیش کیے گئے۔

واضح ہو کہ تقدیر، یعنے اندازہ کرنا، حکم لگانا، قدرت عطا کرنا، انسان سے بھی ہو سکتا ہے۔ ہزاروں ایجادات جو ہوتی جارہی ہیں۔ فضاء و خلا میں لاکھوں میل، فی گھنٹہ سینکڑوں میل کی رفتار سے طئے جو کیے جارہے ہیں، اس کا ثبوت ہے۔ لیکن اُن سب کا تعلق خدا کی ہی دی ہوئی عقل سے ہے۔ اور اسی کے پیدا کیے ہوئے موجودات پر ان سب کا انحصار ہے۔ مثلاً یورانیم، تھوریم اور لوہا وغیرہ، زمین سے حاصل ہوتے ہیں، آکسیجن، ہائیڈروجن، اور دوسری گیسیس فضاء سے حاصل ہوتی ہیں۔ جن کے بغیر نہ ایٹم (جوہر) حاصل ہو سکتا ہے اور نہ جوہری توانائی، جس کے یہ سارے کرشمے ہیں۔ حتٰی کہ برقی قوت بھی لوہا، پانی، اور کویلے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا انسان صرف معلوم سے غیر معلوم، موجود سے غیر موجود کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور اندازہ اس کی رہبری کرتا ہے۔ بسا اوقات یہ اندازہ غلط بھی واقع ہو جاتا ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی تخلیق و ایجاد کو پہنچنے کی انسان میں مجال

نہیں۔ درخت کے جیسا مصنوعی درخت، بہتر سے بہتر، صحیح سے صحیح صورت میں بنا سکتا ہے۔ آرٹ کا کمال دِکھا سکتا ہے لیکن درخت جس طرح پیدا ہوتا ہے، جس طرح چھوٹے سے بڑا ہوتا، پھیلتا، پھولتا ہے، جو تخلیق جو نمو اور زندگی درخت کے ایک ایک پتہ کو حاصل ہے ویسی زندگی کسی ایک مصنوعی پتہ کو عطا کر کے وجود میں نہیں لا سکتا۔ برق و بخارات اور مشنریوں کی مدد سے حرکت پیدا کر دینا اور ہے، حیات عطا کر کے حرکت میں لانا۔!

اسی لیے شریعتِ اسلامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ تخلیق و تقدیر کا لفظ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے لیے ہی اپنے مفہوم تام کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اُس کا علم اُس کا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اجرامِ فلکی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿38﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿39﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿40﴾ (سورۃ یٰس)

ترجمہ:- اور سورج اپنے مستقر کی طرف چل رہا ہے یہ ایک زبردست علم والے کی قائم کی ہوئی تقدیر ہے۔ اور چاند کی منزلیں ہم نے مقدر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پہلی کجی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ نہ سورج سے ہو سکتا ہے کہ چاند سے جا ملے اور نہ رات سے یہ ہو سکتا ہے کہ دن سے پہلے ہو جائے۔ ہر ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

آسمان کا کارخانہ جس علم و اندازہ پر اپنی قدرت سے پیدا فرمایا، آج تک قایم و جاری ہے۔ قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ قیامت کی ہولناک قرآنی پیش گوئیوں کو ثابت کرنے میں بہت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ آج کے ترقی یافتہ فلسفۂ الٰہیات اور سائنس کی موجودگی میں قیامت کے امکان پر یقین مشکل نہ رہا۔ کیوں کہ آج کی جدید علمی دنیا میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جن اجرامِ فلکی کا دارومدار نظامِ شمسی پر ہے جب کبھی اس نظامِ شمسی میں خلل واقع ہو گا۔ اجرامِ فلکی کا نظام بھی باقی نہ رہے گا۔ زمین، چاند، وغیرہ سب آپس میں ٹکرا جائینگے۔ اس کے ہولناک نتائج محتاجِ بیان نہیں۔ اسلامی زبان میں مختصر یہ کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔!!!

غرض آسمان و زمین کی سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کے تابعِ فرمان ہیں چنانچہ فرماتا ہے:-

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿26﴾ (سورۃ الروم)

ترجمہ:- سب اُس کے تابع فرمان ہیں۔

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿19﴾ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿20﴾ (سورۃ الانبیآء)

ترجمہ:- اپنے رب کی بندگی سے نہ سرکشی کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ دن رات تسبیح میں لگے ہوئے ہیں ذرا دَم نہیں لیتے۔

لیکن یہ انسان ہی ہے جو کفر و عصیان میں بھی مبتلا ہوتا ہے اُس کے باوجود "اشرف المخلوقات" کے خطاب سے سرفراز بھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت و تقدیر یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جمادات، نباتات، حیوانات، فرشتے اور جنات بھی پیدا فرمائے ہیں۔ ہر ایک کو ایک اندازہ پر قائم فرمایا ہے۔ جمادات کی تقدیرِ الٰہی یہی ہے کہ بے حس و حرکت رہیں۔ نباتات کی تقدیرِ الٰہی یہ ہے کہ ہر درخت اور ہر بیل بوٹے اور پودے کو جو جو خصوصیات دی گئی ہیں انہی میں محدود رہے

۔ہر تخم میں جیسے درخت، جیسے پھل و پھول کی صلاحیت دی گئی ہے اس میں از خود کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ کھجور کے بیج سے آم کا درخت نہیں پیدا ہوتا۔ آم کے تخم سے سیب کا درخت نہیں پیدا ہوتا۔ گلاب کے پودے کو موتیا کے پھول نہیں لگتے۔

نمو کے اعتبار سے بھی یہی صورت ہے۔ ہر درخت تناور نہیں ہو جاتا۔ جس درخت یا بیل و پودے کے تخم میں جتنے قد کی جتنے پھیلاؤ کی صلاحیت ہے، اسی قدر ہو سکے گا۔ جدید سائنس کی رُو سے پودوں کی مختلف نسلیں، قومیں، قبیلے اور خاندان ہوتے ہیں۔ ہر ایک میں اس کی خصوصیات ودیعت رہتی ہیں۔ کسی درخت کی شاخ کا پیوند کسی درخت کو لگا کر جو تبدیلی کی جاتی ہے یہ ماہرِ نباتیات کی جدوجہد کا نتیجہ قرار دی جائے گی۔ لیکن از خود کسی درخت میں ایسی تبدیلی پیدا کر لینے کی کوئی فطری استعداد قطعاً موجود نہیں ہے۔

حیوانات میں سے ہر جاندار کی جو قسم ہے، اُس کے لیے جو خصوصیات اور جو طرزِ زندگی مقدر ہے، اس میں کوئی تبدیلی از خود نہیں ہو سکتی۔ سوائے اِس کے کہ اپنی اپنی فطریات کی حد تک جدوجہد کرتے رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حیوانات کی ہر جنس اور اُن کی مختلف انواع، بقائے وجود اور بقائے نسل کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ اور ڈارون (لیکن انسان کی تخلیق کے بارے میں اس کے نظریہ سے یہاں بحث نہیں ہے) کے نظریہ کے مطابق اُن میں "تنازع للبقا" جاری ہے۔ لیکن اُن کی یہ جدوجہد اُس صلاحیت و استعداد ہی پر منحصر ہوتی ہے جو قدرت نے ہر ایک کو حسبِ ضرورت درجہ بدرجہ عطا فرمائی ہے۔

حیوان کی ہر نوع کو جس طرح کا دل و دماغ دیا گیا ہے اور بقائے وجود و بقائے نسل کی جو سمجھ دی گئی ہے۔ اُس میں کوئی تغیر و تبدل از خود نہیں ہو سکتا۔ مثلاً درندہ، گھانس نہیں کھائے گا، چرندہ گوشت نہیں کھائے گا اگرچہ کہ بھوکا مر جائے۔ وغیرہ فرشتوں کی نسبت یہ معلوم کیا گیا ہے کہ یہ نورانی مخلوق ہے۔ اُن سے خطا و نسیان کا صدور نہیں ہوتا۔ جس قسم کی تسبیح و تہلیل اور جس قسم کی عبادت وغیرہ کے لیے اُن کو پیدا کیا گیا ہے، وہ اُسی میں لگے رہتے ہیں خطا سرزد نہیں ہوتی اسی لیے فرشتوں کو معصوم بھی کہا جاتا ہے۔

غرض کل کائنات کا وجود اور اُس کی خصوصیات کا ظہور تقادیرِ الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿3﴾ (سورۃ الطلاق)

ترجمہ:- یعنے اور اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ (سورۃ القمر)

ترجمہ:- ہم نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، ایک اندازہ پر پیدا کی ہے۔

اور سب مخلوقات، اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اُس کی حمد کی تسبیح اپنی اپنی زبانِ حال سے جاری رکھے ہوئے ہوتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ط (سورۃ النور۔ 41)

ترجمہ:- کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں کی ہر چیز اور اُڑنے والے پرندے اُس کی تسبیح پڑھتے ہیں اُن میں کا ہر ایک اپنی اپنی نماز اور اپنے ذکرِ الٰہی سے واقف ہے۔

لیکن انسان کو سب مخلوقات کی نسبت اعلیٰ خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿4﴾ (سورۃ التین)

ترجمہ:- ہم نے انسان کو بہترین اندازہ پر پیدا کیا ہے۔

نہ صرف حیات، بلکہ سمع، بصر، کلام، علم، ارادہ اور قدرت عطا فرما کر اُس کے استعمال میں اختیار کا کچھ حصہ بھی عطا فرمایا۔ عقل اور نفسِ ناطقہ سے بھی مزین فرمایا ہے۔ تا کہ معلوم سے نامعلوم، موجود سے غیر موجود اور جزئیات سے کلیات کا علم حاصل کر سکے۔ دوسری مخلوقات کی طرح محض مجبور، اور فرشتوں کی طرح معصوم نہیں بنایا ہے۔ بھلے اور برے مفید و مضر کی تمیز عطا فرمادی ہے۔

نظامِ کلی کے تحت قوانین و حدودِ الٰہیہ کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی قوت بھی عطا کی گئی ہے جس کی وجہ سے دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں محدود و مجبورانہ اطاعت سے آزاد ہے۔ اتنا اختیار عطا فرمایا ہے کہ چاہے تو اطاعت کرے چاہے تو سرکشی و نافرمانی کرے۔ انسان ایک حد تک مجبور بھی ہے اور ایک حد تک مختار بھی ہے۔ جو باتیں انسان کے اختیار کے باہر ہیں۔ جن باتوں میں وہ مجبور ہے۔ اُس حد میں اُس پر کوئی ذمہ داری یا جزا و سزا کا تَرَتُّب بھی نہیں ہے۔ یہ خصوصیات دنیا کی کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ انسان کے لیے دنیا "امتحان گاہ" ہے۔ جدوجہد کر کے اللہ سے توفیق و مدد کی التجا کرتے ہوئے، اطاعت، عبادت و قربتِ الٰہی اور لقائے رب کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اس لیے انسان، فرشتوں کے شرفِ قربِ الٰہی پر اشرف بھی ہو سکتا ہے۔!!! "اَسْفَل" بن کر "اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ" کی راہ اختیار کر کے "کَالْاَنْعَام" (چوپایوں کے مانند) بلکہ "اَرْذَلُ الْمَخْلُوْقَاتْ" بھی بن سکتا ہے۔!!

نماز کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نماز سب مخلوقات کی عبادت کی جامع عبادت ہے۔ نمازی "قیام" میں درختوں کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ "رکوع" میں چوپایوں کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ "سجدہ" میں بیل بوٹے اور رینگنے والے حیوانات کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ "قاعدہ" میں جمادات کی عبادت میں شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح تکبیرات و تسبیح و تہلیلِ نماز میں فرشتوں کی عبادات میں شامل ہوتا ہے۔ اس طرح جامع عبادت کرنا صرف انسان ہی سے ممکن ہے۔

ہر انسان پیدا ہونے کے بعد سے مرنے تک کیا کرے گا۔ کب مرے گا۔ کس قدر نیک کام کرے گا۔ کس قدر برے کام کرے گا۔ اس کا اندازہ، "خالقِ کائنات" کو ہے جو ہر گز غلط نہیں ہو سکتا۔ یہی "تقدیرِ الٰہی" ہے۔ "وَلَقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ" کا یہی مطلب ہے۔ "وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاۗءَ اللّٰہ" کا بھی یہی مطلب ہے کہ بندوں کے افعال و ارادے سب اللہ کے علم و ارادہ و مشیت کے مطابق ہیں۔ یہ سب مقادیرِ الٰہیہ ہیں۔

مثلاً حکومت کے کسی محکمہ کا عہدہ دارِ اعلیٰ کسی ملازم کے بارے میں یہ اندازہ کرے کہ یہ خیانت کرے گا یا مفوضہ خدمت بخوبی انجام نہیں دے گا۔ اور یہ اندازہ صحیح نکلے تو اُس کو سزا دی جائے گی، برطرف کر دیا جائے گا۔ یہ سزا اُس اندازہ و قیافہ شناسی کی بنا پر نہیں بلکہ صدورِ قصور کی بنا پر دی جائے گی۔ کیونکہ قصور کرنے کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور نہ اس کو یہ معلوم کیا گیا تھا کہ اس سے ایسا قصور سرزد ہونے والا ہے۔ کسی سے قصور سرزد ہونے کا اندازہ صحیح نکلنے میں اور کسی کے حکم سے قصور واقع ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی کے حکم کی بنا پر قصور کیا جائے تو اُس حاکم کو سزا دینے کا حق بھی نہ ہو گا۔!!!

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ ایک "حکم" ہے ایک "تقدیر"، "ارادہ و مشیت" ہے۔ "سزا و جزا" کا تعلق "حکم کی تعمیل و عدم تعمیل" سے ہے۔ کسی انسان کی نسبت اللہ کا علم و اندازہ یہ ہے کہ وہ گناہ کرے گا۔ تو اُس سے ضرور گناہ سرزد ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم و اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے

گناہ کی سزا جو دی جائے گی اللہ تعالیٰ کے اس علم و اندازہ کی بنا پر نہیں بلکہ اس کو گناہ نہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا، اس کی بناء پر سزا دی جائے گی۔ کیونکہ اللہ نے گناہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور کوئی بندہ یہ نہیں جان سکتا کہ خدا کا علم و اندازہ اس کے بارے میں کیا ہے۔!!! اس لیے اس کا فرض ہے کہ خدا کے حکم کی تعمیل کرے۔!!!

کیونکہ دوسری مخلوقات کی طرح انسان کو محض مجبور نہیں بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس کو ایک حد تک اختیار دے کر احکام کی تعمیل اس پر لازم کی گئی ہے۔!!!

تقدیر کے پابند جمادات ون باتات☆☆☆ مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند (اقبال)

اللہ تعالیٰ نے مجنون و فاتر العقل پر اور نابالغ پر احکام عاید نہیں کیے ہیں۔ اور جو امور انسان کے اختیار سے باہر ہیں اُن کے بارے میں بھی کوئی بار عاید نہیں کیا ہے۔ پیدائش، موت، بارش نہ ہونے کے نقصانات، بارش کی زیادتی اور سیلابوں کے نقصانات، زلزلے، طوفان، سمندری بھونچال، حادثات، جان و مال کا بے اندازہ نقصان اس قسم کے ہزاروں واقعات جو پیش آتے ہیں، چونکہ انسان کی عقل و اختیار سے باہر ہوتے ہیں اس لیے اُن کے بارے میں صبر، رضا و تسلیم اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھلے اور برے کی تمیز، انسان کی فطرت میں جو ودیعت فرمائی ہے۔ اس کا بیان بھی قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:-

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿8﴾ (سورۃ الشمس)

ترجمہ:- اس کو تقویٰ اور بدکاریاں دونوں کا الہامی علم دیا گیا ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿10﴾ (سورۃ البلد)

ترجمہ:- ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿29﴾ (سورۃ الدھر)

ترجمہ:- جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (سورۃ الکھف۔29)

ترجمہ:- جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

نیز انسان کو آگاہ کر دیا گیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿39﴾ (سورۃ الحجر)

ترجمہ:- (ابلیس نے) کہا اے رب تو نے مجھے گمراہ کیا اس لیے اب میں بھی اُن کے لیے زمین میں زینتیں دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔

اس اہتمام و ہدایت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفوں کے ذریعہ اور صحایف و کتب کے ذریعہ انسان کو ہدایت حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:-

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿25﴾ (سورۃ فاطر)

ترجمہ:- اُن کے رسول اُن کے پاس بینات اور صحیفے اور روشنی دکھانے والی کتاب لائے۔

غرض خیر و شر کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفاء اللہ کے ذریعہ نازل کیے ہوئے احکام ہی سے ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے "خنزیر" (سور) بھی پیدا

فرمایاہے اور بکرا بھی۔ خنزیر کا گوشت کھانا حرام، بکرے کا گوشت کھانا حلال ہے۔ اسی طرح شراب اور شربت دونوں بھی استعمال کرنے کی چیزیں ہیں۔ لیکن اللہ نے شراب کو حرام، شربت کو حلال قرار دیا۔ بندہ پر فرض ہے کہ خدا نے جس کو شر قرار دیا اُس کے شر ہونے پر ایمان لائے۔ جس کو خیر قرار دیا، اُس کے خیر ہونے پر ایمان لائے اور اس پر عمل کرے۔ اللہ نے خنزیر پیدا ہی کیوں کیا؟ اِس قسم کی بحث پیدا کرنے سے احتراز کرے کیوں کہ ان طریقوں سے رازہائے خداوندی منکشف نہیں ہوسکتے اور بجز الجھنوں کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اعتقاد رکھنے کی رہبری فرمائی ہے کہ:-

"رَبَّنَا وَ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا"۔۔الخ (سورۃ اٰل عمران۔191)

ترجمہ:- اے ہمارے رب تونے یہ جو کچھ پیدا فرمایاہے باطل نہیں ہے۔

بے حکمِ شرع آب خوردن خطا ست ☆☆☆ و گر خوں بفتویٰ بریزی روا ست (حضرتِ سعدیؒ)

یعنے شرع کے حکم کے بغیر پانی پینا بھی خطاہے اور فتویٰ سے کسی کا خون کر دینا روا ہے۔

"یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءَ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" کا مطلب یہ ہے کہ مشیت کے اس بیان سے بندہ میں خدائے تعالیٰ کی قدرت کا یقین پیدا کیا جائے۔ لیکن کسی کو ضلالت اختیار کرنے کا حکم نہیں دیاہے۔ اور انسان کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ کی مشیت کیا ہے۔!!!

اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو بعض تقدیر بدل دینے کی قدرت بھی رکھتاہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتاہے:-

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿38﴾ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾ (سورۃ الرعد)

ترجمہ:- ہر مقررہ وقت لکھا ہوا ہے۔ اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتاہے۔ اصل کتاب تو اُسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ "مسبب الاسباب" ہے۔ اور دنیا کا انحصار اسباب ہی پر ہے۔ اسباب کی تاثیر میں کمی وزیادتی پر وہ قادر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دعاء کرنے کا حکم بھی دیاہے۔ فرماتاہے:-

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط (سورۃ المؤمن۔60)

ترجمہ:- تمہارا رب کہتاہے۔ تم مجھ سے دعاء کرو میں تمہاری دعاء کو قبول کرونگا۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ط اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿55﴾ (سورۃ الاعراف)

ترجمہ:- عاجزی اور پوشیدگی کی حالت میں اپنے رب سے دعاء کرو بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتاہے۔

اور ایک مقام پر خاص انداز میں بت پرستوں سے سوال فرماتاہے:-

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ ﴿125﴾ (سورۃ الصّٰفّٰت)

ترجمہ:- کیا "بعل" سے دعاء کرتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔

کتب لغت و تفاسیر میں بیان کیا گیاہے کہ "بَعْلٌ" آقا، مالک، اور شوہر کو بھی کہتے ہیں یہاں وہ بت مراد ہے جس کی پوجا کی جاتی تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم اور سامی قوموں میں اس کی پوجا ہوتی تھی ملکِ شام میں "بعلبك" نامی قدیم شہر ہے۔ اسی "بعل" کی طرف منسوب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیوتا، سونے کا تھا۔ چودہ ہاتھ لامبا تھا۔ اس کے چار منہ تھے۔ توریت میں اس کے تین نام بیان ہوئے ہیں۔ (1) "بعل"، (2) "بعل مفو"،

(3)"بعل بریث"۔اس کی قربان گاہ میں بچوں کو آگ میں ڈال دینا بہت بڑی قربانی سمجھی جاتی تھی۔!!!

اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت کی بے مثال شان بیان کر کے اُن پجاریوں کو اُس بت کے بے جان ہونے کی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنے سے دعاء کرنے کی رہبری فرمائی ہے۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ میں کئی جگہ دعاء کے احکام پائے جاتے ہیں اور قرآنی دعائیں انبیاء علیہم السلام کی دعائیں بھی قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ تقدیر بدلنے پر قادر نہ ہوتا تو دعاء کے احکام قرآنِ مجید و احادیث میں نہ پائے جاتے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جن مقادیر کو خود جب تک نہیں بدلتا اُن کا پورا ہونا ضروری ہے۔!!!

اسی لیے مشیت کا حیلہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ ٹھیرایا ہے۔ارشاد فرماتا ہے:-

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿47﴾ (سورۃ یٰس)

ترجمہ:-جب اُن سے کہا گیا کہ جو کچھ اللہ تم کو دے اُس میں سے (اللہ کے لیے) خرچ کرو تو کافر لوگ مومنین سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں؟ جن کو خدا چاہتا ہے تو کھلاتا ہے۔(ان کافروں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) تم لوگ تو کھلی ضلالت ہی میں ہیں۔

اس آئیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشیت کا حیلہ کر کے جو لوگ نیک اعمال سے گریز کرنے کی کوشش کرتے ہیں گمراہ ہیں۔لہٰذا احکام خدا اور رسولؐ کی اتباع ضروری ہے۔کیونکہ ہدایت اختیار کرنے اور ضلالت سے احتراز کرنے کی تمام صلاحیتیں اور اسباب ہدایت کا اہتمام کرنے کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ ہدایت اختیار کرو، ضلالت سے بچو۔اگر حکم کی تعمیل کروگے تو جزاء پاؤگے ورنہ سزا پاؤگے۔اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی دوزخ کے حوالے کرتا ہے اور نہ کسی کے اجر کو ضائع کرتا ہے۔بلکہ اپنے فضل و احسان کا وعدہ فرماتا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا۔اور ایک گناہ کا عذاب ایک ہی گناہ کے برابر ہوگا۔

نیز ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ﴿25﴾ ۙ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ﴿47﴾ ص ع (سورۃ الغاشیۃ)

ترجمہ:- اُن کو ہماری طرف آنا ہے اور اُن کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہدایت حاصل کرنے اور ضلالت سے بچنے کے لیے قرآنِ مجید کی بتلائی ہوئی یہ سیدھی صاف باتیں کافی ہیں۔ماورائے فہم و قیاس اُمور کی جانب رجوع ہونا اور بے فائدہ بحثوں اور اُلجھنوں میں مبتلا ہونا اور قرآن نے قضاو قدر کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے آگے کھوج لگانے کی کوشش کرنا، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کے فیضان سے محروم ہو جانے کا باعث ہوتا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ﴿82﴾ (سورۃ النسآء)

ترجمہ:-کیا تم قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ اگر یہ قرآن اللہ کے سوائے کسی اور کا ہوتا تو اُس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

اسی لیے امام ناحضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملا معین الدین کے بالواسطہ سوال کے جواب میں "مشیت" کی اہمیت واضح فرمائی کہ بندہ کے نہ صرف افعال و اقوال بلکہ اس کے ارادے و آرزوئیں بھی بے مشیتِ الٰہی نہیں ہیں۔اس کے برخلاف بحثیں اور الجھنیں پیدا کرنے سے آپؑ

نے باز رکھا ہے۔ اگر ملا معین الدین پٹنی، بے جا اعتراضات و مشکلات پیدا کرنے میں مبتلا ہونے کے بجائے حضرتؑ کی خدمتِ فیضدرجت میں حاضر ہو جاتے تو معلوم ہوتا کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تعلیمات کس قدر عزیمت و عالیت کی حامل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کو جو اختیار عطا فرمایا ہے اُس اختیار کا استعمال کن اعلیٰ اصولوں پر کیا جاسکتا ہے اور کس طرح "ام القرآن" یعنے عشق و محبتِ الٰہی اور لقائے رب کے مقصدِ اعلیٰ کا حصول آسان ہو سکتا ہے۔!!!

حضرت عبد القادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمتہ اللہ علیہ نے "فتوح الغیب" میں فرمایا ہے۔

ہر مومن کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔

(1) احکامِ الٰہی کا بجالانا۔

(2) ممنوعاتِ خداوندی سے احتراز کرنا۔

(3) قضاو قدر سے راضی رہنا۔

"ہر مومن کو چاہیے کہ اِن تینوں باتوں کو اپنے دل میں مستحکم کرلے۔ اپنے اعضاء سے جو کام لے، ہر حالت میں ان تین باتوں کے مطابق ہو، بلکہ اپنے تمام ارادوں کو بھی ان تین باتوں کا پابند بنالے"۔ (ملخصاً)

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس حد تک بھی اختیار عطا فرمایا ہے، اس کا استعمال اس کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لیے ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے:-

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴿56﴾ (سورۃ الذّاریات)

ترجمہ:- میں نے جن اور انسان کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

بعض مفسرین نے "اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" کی تفسیر میں "اِلَّا لِيَعْرِفُوْنَ" لکھا ہے۔ یعنے اللہ نے انسان کو اپنے عرفان ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ کیوں کہ مقصود و منتہائے عبادات، عرفان ہی ہے۔

اس سے پہلے قسطِ اول میں قومِ مہدیٔ موعودؑ کی خصوصیات، آیتِ قرآنِ مجید کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں۔ اور اہم خصوصیت "يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ" یعنے اللہ اس قوم سے محبت کرے گا وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی، بیان کی گئی تھی، اس سے یہ اشارہ بھی ثابت کیا گیا تھا کہ مہدیٔ موعودؑ، عشق و محبتِ الٰہی کی تعلیم دینگے۔

امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بصیرت کے کس قدر اعلیٰ اُصول کی طرف آپؑ نے رہبری فرمائی ہے۔ آپؑ سے پہلے کے زمانے میں بھی بہت سارے اولیاء و عاشقانِ خدا گزرے ہیں۔ لیکن اکثروں کو عشقِ الٰہی کے میدان میں صحیح رہبری حاصل نہ تھی۔ چنانچہ بعض گذرے ہوئے اولیاء کے بارے میں آپؑ نے ارشاد فرمایا:-

"ہمارے بھائی نزدیک کا راستہ چھوڑ کر چکر کا راستہ چلے۔ اور مقصود حاصل کیا۔ کیونکہ وہ طلب میں صادق تھے۔ اور مقصود خدا تھا۔ آپؑ کے صحابہؓ نے عرض کیا، میرا نجیؑ! نزدیک کا راستہ کونسا ہے اور گردش کا راستہ کونسا؟ حضرتؑ نے فرمایا راہِ خدا میں بے اختیار کیوں نہ ہوئے شریعتِ محمدیؐ کے موافق یہی راستہ نزدیک تر تھا۔ انہوں نے اپنے اختیار سے تمام عمر کے روزے کیوں رکھے؟ مباح و حلال چیزوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ سالہا سال کنوؤں میں

سرنگوں کیوں لٹکے ؟اور بارہ(12)سال کی قید لگا کر روزے کیوں رکھے ؟حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نہیں فرمائے ہیں اور حسبِ فرمانِ خداوندی مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔)تمام عمر توکل کا روزہ کیوں نہیں رکھا؟اُن کو چاہیے تھا کہ بے اختیار ہو جاتے "(شواہد الولایت)

ایک اور موقع پر فرمایا:-

"بے اختیار شو بختیار باش" یعنے بے اختیار ہو جاؤ صاحبِ نصیب بن جاؤ۔اختیاری بری ہے۔ بے اختیاری، مومن کی زندگی کے ہر شعبہ میں بلکہ حصولِ مقصودِ تخلیق میں بھی بڑی بڑی نازک ماہیتوں کی حامل ہوتی ہے لقاءِ رب اور دیدارِ الٰہی کی انتہائی منزلوں تک رسائی بھی اِسی بے اختیاری سے ممکن ہو سکتی ہے۔کسی حال، کسی مقام، کسی منزل میں بھی آپؑ نے شریعت کی خلاف ورزی کو روا نہ رکھا۔اس لیے یہ کسی بے ہوش یا مست و مدہوش یا نشہ والے کی بے اختیاری نہیں ہے۔

خود امامنا علیہ الصلوٰۃ والسلام "دعوئے مہدیت" سے ایک عرصہ پہلے بارہ(12)سال تک جذب کے عالم میں رہے لیکن خلافِ شرع کوئی کلمہ بھی زبانِ مبارک سے نہ نکلتا تھا۔اور نہ ایسا کوئی فعل اعضائے مبارکہ سے ظہور میں آتا تھا۔حالانکہ کسی سے بات کرنے کا ہوش بھی نہیں تھا۔اس حال میں بھی کبھی ایک وقت کی نماز قضا نہ ہونے پائی۔نماز کے وقت نماز کی حد تک ہوش آجایا کرتا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ کے دعوئے مہدیت کے زمانہ میں، اتباعِ کلام خدا اور اتباعِ رسول خدا کا کس قدر بلند مرتبہ ہو گا، جب کہ آپؑ نے دعوئے مہدیت کی صداقت کا ثبوت، اتباعِ کتابِ خدا و اتباعِ رسولِ خدا قرار دیا تھا۔بے خطا اتباع اس لیے تھی کہ آپؑ منجانب اللہ تعلیم بلاواسطہ پر عمل فرماتے تھے!!!

آپؑ کی تعلیمات کی اس خصوصیت کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، وغیرہ احکامِ خدا اور سولؐ کا پابند نہ ہو اور خود اپنے کو کتنا ہی عرفان مآب ظاہر کرے کتنا ہی صاحبِ فیض ثابت کرے اس کو لایق التفات نہ سمجھا جائے۔

غرض مقصدِ پیدائش یعنے عرفان کے لیے اتباعِ شریعت بھی ضروری و لابدی ہے۔نفس کے مطالبات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ابلیس کی مشارکت سے قوتِ مطالبہ میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

(1) بقائے زندگی و صحت کے لیے اچھی غذا، مقویات و لذیذ مشروبات کا مطالبہ۔

(2) راحت اور آرام کے لیے اچھے لباس، اچھے مکان، اچھے اسباب کا مطالبہ۔

(3) بقائے نسل و حظِ نفس کے لیے جنسِ مقابل کا یعنے ازدواجی زندگی کا مطالبہ۔ یہ تینوں مطالبات، مومن کی عدالت میں حاکم کے حکم کی طرح نہیں بلکہ محکوم کی درخواست کے طور پر پیش ہونے چاہیں، جب مؤمن اس درجہ نفس پر قابو پالے گا تو اس کی عقل و تمیز، احکامِ خدا اور سول کی روشنی میں غور کرے گی۔جو مطالبہ جس وقت اور جس حد میں منظور کیے جانے کے قابل ہے منظور کرے گی۔ورنہ رد کر دے گی خواہ اس کی وجہ سے کتنی ہی تکلیف و مصیبت اٹھانی پڑے۔

فرض کیجیے ایک شخص بھوکا ہے، جس طرح چاہے پیٹ بھر لینے کی قوتِ امتیازی رکھتا ہے۔اور نفس کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جلد سے جلد کھانا ملے۔غذا موجود بھی ہے۔لیکن وہ ملکِ غیر ہے یا ناجائز یا حرام شئ پر مشتمل ہے۔ایسی صورت میں عاشقِ خدا، اپنے فطری اختیار کا مالک رہنے کے باوجود بے اختیاری اختیار کرے گا۔یعنے خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف اپنا اختیار استعمال نہیں کرے گا۔اپنے نفس کی ایسی درخواست کو قبول نہیں کرے

گا۔جو احکامِ شرع کی خلاف ورزی کا موجب بن سکتی ہو۔ ہر حالت میں اپنے اختیار اور اپنی عقل و تمیز کو خدا اور سولؐ کے احکام کا تابع رکھے گا اس کا مقام اس شعر کے مطابق ہو جاتا ہے۔

من بندۂ آزادم، عشق است امامِ من!☆☆☆عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من!!

اس شعر میں "آزاد" سے مراد "مختار" ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس حد تک مختار بنایا ہے، اس کا سب سے اعلیٰ اقتضاء یہ ہے کہ عشقِ الٰہی اختیار کرے۔ اس طرح عقلِ حیلہ جو بھی غلام بن جائیگی اور خدا اور سولؐ کے احکام سے سرتابی نہ ہو گی۔

اللہ تعالیٰ "خَالِقُ الْكُلِّ مَالِكُ الْمُلْكُ" ہے۔ اس لیے انسان کا فرض ہے کہ اپنے خالق کو مالکِ حقیقی تسلیم کرے۔ اپنے اختیار کو اتنا بے لگام نہ ہونے دے کہ اُس مالکِ حقیقی سے سرتابی لازم آئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یہ ہے کہ اُس نے انسان کو معرفت کی قوت بھی عطا فرمائی۔

اور فرمایا کہ:-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق (سورۃ البقرہ۔29)

ترجمہ:- وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کی ہر چیز تمہارے لیے پیدا کی ہے۔ موجودات میں ان کے خواص و اعمال کا باہمی اِرتباط اور ایک کی دوسرے کے لیے جو ضرورت ہے محتاجِ بیان نہیں۔ ورنہ آج دنیا میں ہر جاندار کی زندگی محال ہو جاتی ہے۔ انسان بھی اسی وجہ سے زندہ ہے۔ چونکہ انسان کو معرفت کی قوت عطا کی گئی ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ کھانا، کپڑا، مکان اور بیوی بچوں ہی میں منہمک ہو کر اپنے خالق و مالک و محسنِ حقیقی سے غافل نہ ہو جائے ورنہ انسانیت کا مقام باقی نہ رہے گا۔ حیوانیت میں اس کا شمار ہو گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حیوانیت کی تشبیہ کے قابل بھی نہ رہے گا۔ کیونکہ حیوان تو اپنی اپنی حد میں اطاعت، نماز اور ذکر سے غافل نہیں ہیں۔ اگرچہ کہ ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن خود خالقِ کائنات فرما رہا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ط (سورۃ النور۔41)

ترجمہ:- کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں کی ہر چیز اور اُڑنے والے پرندے اللہ کی "تسبیح" پڑھتے ہیں اور اُن میں کا ہر ایک اپنی نماز اور اپنے ذکرِ الٰہی سے واقف ہے۔

غافل انسان کو اللہ تعالیٰ نے کئی طریقوں سے خبردار کیا ہے۔ اپنے اختیار اور اپنی عقل و قوتِ معرفت کو صحیح راستہ پر لگانے کی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ سب کچھ امتحان کے لیے پیدا کیا گیا ہے:-

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿7﴾ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ﴿8﴾ (سورہ الکھف)

ترجمہ:- روئے زمین میں جو کچھ ہے اس کو ہم نے زینت کے لیے بنایا ہے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو جانچیں کہ کون اُن میں اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اور ہم اس کو مٹا کر چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند☆☆☆تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار☆☆☆شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری (حضرت سعدیؒ)

یعنے ابر و ہوا، چاند و سورج اور آسمان سب اپنے اپنے مقررہ کام میں لگے ہوئے ہیں تا کہ تجھ کو ایک روٹی میسر آئے اور تو منعمِ حقیقی سے غافل رہ کر نہ کھائے جب کہ یہ سب تیرے ہی لیے سر گشتہ و فرماں بردار ہیں، اگر تو فرماں برداری نہ کرے تو یہ شرطِ انصاف کے خلاف ہو گا۔ زمین میں جو، تنا، تخم بونا، کسان کے اختیار میں ہے لیکن ہوا، پانی اور موسم کی موافقت وغیرہ اُمور اس کے اختیار سے باہر ہیں۔ اس لیے، قدرت کی امداد کا مجبور و محتاج ہے۔ لیکن مجبور ہو کر قدرت کی طرف رجوع ہونے سے بہتر یہی ہے کہ اپنے اختیار سے خدا سے محبت اور اس کی قدرت پر یقین پیدا کرے۔ سب کچھ خدا ہی کی ملک سمجھے۔ ہر منزل میں اور ہر حالت میں خدا کی اطاعت اختیار کرے۔

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے ☆☆☆ جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے!!

حضرت امامنا علیہ السلام نے ملکیت کے تصور ہی کو یکسر بدل دینے کی ہدایت فرمائی۔ کیونکہ "اَنا" (میں) کے احساس کے ساتھ ہی انسان میں ملکیت اور تصرف وجود پاتے ہیں۔ ملکیت اور تصرف کے لیے فرائض و حقوق کا ادراک ضروری ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان سینکڑوں ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ نفس دھوکہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ہم جنسوں پر اپنی فوقیت جتانے کا جذبہ مال و زر کی حرص و اقتدار کی ہوس، شہرت اور عزت کی خواہش وغیرہ سینکڑوں مفاسد کی جڑ یہی "انانیت" ہے۔ تفصیل کا یہ محل نہیں۔ غرض ملکیت اور تصرف ہی کے لیے جو ابد ہی ہے۔!!! دنیا میں زیادہ تر جھگڑوں کا سبب بھی "اَنا" کا احساس ہی ہے۔ اگر یہ تابع فرمان ہو جائے اور فنائیت اختیار کر لے تو پھر کوئی جھگڑا ابھی نہونے پائے گا۔

امامنا مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "میں پن" کے احساس کو ختم کر دینے کی تعلیم فرمائی ہے۔ اللہ کی ملکیت کا تصور اس درجہ مسلط کر لیا جائے کہ کھانے والا اللہ کے نام سے کھائے اور کھلانے والا اللہ کے نام سے کھلائے تو اس کی وجہ سے بہت ساری قباحتوں اور ناانصافیوں سے انسان بچ سکتا ہے۔ او راندرونی و بیرونی شرارتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے یہ بات قرآنِ مجید کی آیات سے بھی ثابت ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔۔الخ (سورۃ الانعام۔119)

ترجمہ:- بے شک ترا رب وہ ہے جو کہ اُس شخص کو خوب جانتا ہے جو کہ اللہ کے راستہ سے بہک جاتا ہے اور اللہ اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت کے راستہ پر چلنے والے ہیں۔ جس چیز پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، وہ چیز کھاؤ۔ اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے ہو اور تمہارے لیے کیا وجہ ہے کہ وہ چیز نہ کھائیں جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ط (سورۃ الانعام۔121)

ترجمہ:- وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اور بے شک وہ فسق ہے۔

اِن آیات کو مفسرین و فقہاء نے ذبیحہ سے مخصوص کیا ہے۔ یعنے جس حلال جانور کو ذبح کیا جائے اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ ورنہ اس کا کھانا جائز نہ ہو گا۔ اس تفسیر کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اِن آیات کی عمومیت میں یہ خصوصیت بھی داخل ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر صرف ذبیحہ سے مخصوص کر دیا جائے تو "اَلْمُطْلَقُ يَجْرِيْ عَلٰى اِطْلَاقِهٖ" (مطلق اپنی اطلاقیت پر ہی جاری رہے گا) کا اُصول باقی نہ رہ سکے گا۔

اِن آیاتِ شریفہ میں کھانے کے بیان کے موقع پر "مِمَّا" واقع ہوا ہے اس لیے معنی یہ ہوں گے "کھانے کی ہر چیز" کیونکہ "مِمَّا" عمومیت پر دلالت

کرتا ہے۔اس لحاظ سے ہر وہ چیز کھانے سے احتراز آئیہ شریفہ کے حکم کے تحت ہو گا۔ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔اسی لیے ہر مومن نہ صرف جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے بلکہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بھی "بسم اللہ" ضرور کہتا ہے۔

چونکہ حلال جانور بھی کھانے کے لیے ہی ذبح کرتے ہیں اس لیے ذبح کے وقت بھی اللہ کا نام لیا جانا ضروری ہے۔یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ لوگ بت وغیرہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں۔اس کے بجائے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی جانور ذبح ہو سکتا ہے تو صرف خالقِ کائنات ہی کے لیے اور اسی کے نام سے ذبح ہو سکتا ہے۔

مسلمہ ضابطہ ہے کہ "عام" میں "خاص" شامل رہ سکتا ہے لیکن "خاص" میں "عام" شامل نہیں رہ سکتا۔اس لحاظ سے آیاتِ مذکورہ کی عمومیت میں حلال جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی خصوصیت بھی شامل ہو سکتی ہے۔

غرض یہ کہ کھاتے وقت یا کسی کو دیتے وقت اللہ کے نام سے کھایا اور دیا جائے تو یہ عمل بھی اُن آیاتِ کریمہ کی اتباع میں شامل رہے گا۔

لیکن امام علیہ السلام نے خصوصاً متوکل علی اللہ میں اللہ تعالیٰ سے کامل وابستگی پیدا کرنے کے لیے یہ لازم قرار دیا کہ کھانے کی چیز ہو یا استعمال کرنے کی ،ہر وہ چیز جو متوکل علی اللہ کو دی جائے اللہ کے نام سے دی جائے اور وہ بغیر اللہ کے نام کے قبول نہ کرے۔اسی لیے مہدوی فقرائے کرام کی خدمت میں کچھ پیش کرنا ہو تو "اللہ نے دیا ہے" لازماً کہتے ہیں۔

اس فرمانِ واجب الاذعان کی "وجہِ حَسَن" کو اہلِ ظاہر اور اہلِ باطن سب ہی سمجھ سکتے ہیں۔کیونکہ اس طریقہ کی وجہ سے "میں پن" اور "ملکیت" کا احساس باقی رہنے نہیں پاتا۔رزاق و کفیلِ حقیقی پر سے طرفین یعنے دینے والے اور لینے والے کی نظر ہٹنے نہیں پاتی۔دینے والے میں تفاخر یا کبر و غرور اور لینے والے میں غیر اللہ سے عجز و نیاز کا جذبہ اُبھرنے نہیں پاتا۔!!

گریہ " اللہ الصمد " دل بستہ ! ☆☆☆از حدِ اسباب بیروں جستہ !!

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ عبادت اور ریاضت کا تعلق بھی صرف اللہ سے ہو۔عام طور پر عبادت و ریاضت دنیا کے لیے ہوتی ہے یا دین کے لیے۔!!کوئی شخص مفلوک الحال یا مصیبت زدہ و پریشان ہو تو مصیبتوں اور آفتوں سے نجات پانے کے لیے اللہ سے ڈر کر امید وارِ رحم ہو کر، نماز اور وظائف وغیرہ شروع کر دیتا ہے تا کہ مصائب دور ہوں "عُسر" "یُسر" سے بدل جائے۔اس صورت میں نماز و ریاضیت کی غرض اسباب دنیاوی قرار پائینگے۔

اسی طرح بعض لوگ دوزخ کے عذاب کے خوف، جنت کے شوق اور ثوابِ دنیا و آخرت کے حصول کی نیت سے نماز، روزے اور وظائف وغیرہ پر عمل کرتے ہیں یہ سب دنیا کی خوشیوں اور آخرت کے لیے رجوع الی اللہ ہوتے ہیں۔گویا اپنے لیے اللہ کو چاہتے ہیں۔اللہ کے لیے اللہ کو نہیں چاہتے۔!!

امام مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی بنیاد یہ ہے کہ عبادات و اذکار وغیرہ اعمالِ حسنہ کا مقصود و مطلوب صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہو۔اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع کر دیا جائے۔یہی بے اختیاری ہے۔!!!!ہر مومن کی صلاحیت و استعداد کے مطابق بفضلِ خدا، بے اختیاری کا بلند سے بلند مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے بھی اصحابِ صفہؓ کو بے اختیاری کی خاص طور پر ایسی ہی تعلیم دی تھی۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اُن فقراء کی شان میں فرمایا ہے:-

"لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ" (سورۃ البقرا۔273)

ترجمہ:-اُن فقراء کے لیے ہے جنہوں نے اللہ کے راستہ میں اپنے کو محصور کر لیا ہے۔

احصار فی سبیل اللہ بھی بے اختیاری کا ایک مقام ہے۔حاصلِ کلام یہ کہ امامنامہدیؑ موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات، عشق و محبتِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہیں جن میں اللہ کو اللہ کے لیے چاہنے، عرفان اور وصال الی المطلوب کے اُصول معلوم کیے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے مومن کی بے اختیاری کی زندگی اس آئیہ کریمہ کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَ نُسُكِىۡ وَ مَحۡيَاىَ وَ مَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿162﴾ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿163﴾ (سورۃ الانعام)

ترجمہ:- کہو(اے پیغمبرؐ) بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ صرف اللہ کے لیے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

یہ بات کئی بار بیان کی گئی ہے کہ پیغمبرِ آخر لزماں، خاتم الانبیاء محمد مصطفٰی ﷺ کے ذریعہ قیامت تک پیدا ہونے والی انسانی دنیا کے لیے آخری کتاب، قرآنِ مجید جو نازل کی گئی، اس کی اصل تعلیم، عشق و محبت اور طلبِ دیدارِ الٰہی ہے۔اس تعلیم کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں "اُم القرآن" کہا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کو ہر مومن کے لیے خواہ اُمی ہو یا عالم، "فرضِ عین" قرار دیا جاتا ہے۔

چونکہ احمد مجتبیٰ ﷺ، "عشقِ حقیقی"، "حبِ ازلی" کے "مظہر اتم" ہیں، اس لیے انتہائی ارتقاء فنا کا علمِ معرفت آپؐ کو عطا کیا گیا۔اور آپؐ کے ذریعہ قرآن جو نازل کیا گیا، اس میں اس کی تعلیم ودیعت فرمائی گئی۔

لیکن غافل انسانوں کا یہ حال ہے کہ "علومِ قرآنیہ" میں اس اعلیٰ وارفع "علمِ عرفان" کی خصوصیت کی جانب توجہ کرنا تو کجا، خود رسالتمآب ﷺ کے مراتب و خصوصیات سے بھی ناواقف ہیں۔ایسے لوگوں میں "عشقِ الٰہی" کا ذوق پیدا نہیں ہو سکتا۔ان کی عقل، اُن کے ادراکات، فضول خیالات و بے فائدہ اُمور و توہمات میں منہمک ہو جاتے ہیں۔حتٰی کہ علمائے ظواہر کا بھی یہی حال ہے۔

مثلاً جس زمانہ میں "فلسفہءِ یونان" عروج پر تھا۔عالمِ اسلام میں بھی اس کی شہرت ہو چکی تھی۔علمائے ظواہر کا زیادہ وقت، انہی مباحث میں گزرتا تھا۔ فلسفہ کی عام مقبولیت کی وجہ سے علمائے معقول نے یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ عقاید و مسائلِ اسلام، فلسفہ کے مطابق ہیں۔اس لیے "مسائلِ شرعیہ" کو مباحثِ فلسفہ سے مطابق کرنے میں منہمک ہو گئے۔اس کام میں سینکڑوں تاویلیں کرنی پڑی، ہزاروں لغزشیں ہوئیں۔

ے خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

صادق آرہا تھا یہ صورت زیادہ تر، معترضین کے اعتراضات کو دفع کرنے میں پیش آتی رہی، کیونکہ معترضین اپنے مزعومہ جن اُصول کے تحت اسلامیات پر اعتراض کرتے تھے ان ہی اُصول کے تحت جواب ادا کرنے اور اسلام میں اُن کی موافقت ثابت کرنے کی سعی بلیغ کی جاتی تھی۔

ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہی۔سر سید احمد خاں اور اسی قبیل کے لوگوں کی تالیفات میں بھی، جنت، دوزخ وغیرہ کئی "امورِ اسلامیہ" کے بارے میں "تاویلاتِ بعیدہ وباطلہ" پائی جاتی ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ علمائے متشرقینِ مغرب کے اعتراضات کو دفع کرنے میں اُن کے اُصول کو پیشِ نظر رکھ کر مسائلِ اسلام کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اُن لوگوں کی نیت اور غرض نیک تھی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ محکماتِ قرآن وحدیث منشاءِ خدا اور رسولؐ کی پیروی نہیں ہو سکی۔

یہی صورت آج سائنس اور سائنس دانوں کی مقبولیت کی وجہ سے اسلامی مسائل میں پیش آرہی ہے۔ اکثر لوگ قوف کو جدت پسند ثابت کرنے اور سائنس سے دلچسپی رکھنے والوں کو خوش کرنے کے لیے عقاید و شرایع اسلام کو سائنٹفک ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، ہر روز اس نوع کے لٹریچر میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ حالانکہ طبعی سائنس میں مادہ توانائی اور اس کے خواص سے بحث کی جاتی ہے۔ موجودات کے مطالعہ اور شواہد و تجربات سے شئی کی ماہیت و خاصیت معلوم کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے فوائد حاصل کرنے میں اور ایجادات میں مدد ملتی ہے۔ سائنس کے اُصول و ضوابط اور کلیات، ماہرینِ سائنس نے تجربات و مشاہدات کی بناپر مقرر کیے ہیں۔ ان علوم سے حیاتِ انسانی کے شعبوں میں لاتعداد فوائد پہنچے اور پہنچتے جارہے ہیں۔ اس کو بجاطور پر خدمتِ خلق بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

"برق"، "لاشعاع"، "اثیر" اور "ایٹم" وغیرہ کی تحقیقات سے جو تجربات کیے جارہے ہیں، جو حیرت ناک ایجادات ہورہی ہیں، سب لایقِ تعریف و تحسین ہیں۔

کہاجاتا ہے کہ "اثیر" فی ثانیہ (سکنڈ) ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار کی حامل ہے۔ اس لیے ساری دنیا میں دایر و سایر ہے۔

اس تحقیق کے بعد جو تجربات کیے گئے ان کی بدولت، ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن، لاسلکی وغیرہ ایجادات کئے جاسکتے ہیں۔ جنکے ذریعہ نہ صرف آواز، ہزاروں میل دور پہنچتی ہے بلکہ متکلم کی تصویر بھی منعکس ہو جاتی ہے۔ حتّٰی کہ ڈھائی لاکھ میل سے زیادہ دور "خلا" سے خلائی جہاز کے ذریعہ زمین کو چاند کی تصاویر اور پیامات وصول ہورہے ہیں۔

اسی طرح "لاشعاع" کے ذریعہ طبی دنیا میں عظیم انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ جسم کے اعضاء کی ہڈیوں کی تصاویر لینا اور اُن کے عوارض کی ٹھیک تشخیص ممکن اور آسان ہوگئی ہے۔

یہ سب حقایق ہیں ان سے انکار محال ہے۔!! بلکہ محققینِ اسلام نے افادیت رکھنے والے ایسے تمام علومِ غیر شرعیہ کی تحصیل کو "فرضِ کفایہ" میں شمار کیا ہے۔ اس کی صراحت آگے بیان ہوگی۔

لیکن اللہ کے خلیفوں کی بعثت، اُن کا وجود، اُن کی روحانیت، اور اُن کے ذریعہ بھیجے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پیغام، بجائے خود ایک خصوصیت رکھتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ بعض یا اکثر مسائلِ اسلام میں اُصولِ فلسفہ یا اُصولِ سائنس کی مطابقت پائی جاتی ہے، لیکن اُن اُصول کی مطابقت کو معیارِ تسلیم، قرار دینا، از روئے اُصولِ دین، صریحاً باطل ہے۔ کیونکہ شرائع انبیاء علیہم السلام کی بنیاد، فلسفہ یا سائنس پر نہیں ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے احکام پر ہے۔

افسوس کہ حضرت احمدِ مجتبٰی ﷺ کے وجودِ مبارک کو حتّٰی کہ قرآنِ مجید کو بھی طبعیی سائنس کے نظریات کے معیار پر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ذاتِ منزہ من التشبیہات کو بھی طبیعی، قرار دینے کی جرائت و جسارت سے دریغ نہیں کیا جارہا ہے۔ اور اس کو بڑا کارنامہ سمجھا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو "سائنٹفک قرآن" وغیرہ۔

اس موقع پر ایک اور مضمون نگار صاحب کے بعض اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:۔

"اس سے پہلے کہ آنحضرتؐ، نبوت کی گراں باریوں کو سنبھالیں قوم کی گمراہی نے آپؐ کو چونکا دیا۔۔۔۔ مگر سوال یہ تھا کہ اس کو ایک دعوت، ایک فلسفہِ حیات اور پیغام کی شکل میں کیونکر پیش کیا جائے۔ انسان میں احساسِ شرف کیونکر بیدار ہو۔ اقدارِ خیر کس طرح پروان چڑھیں اور علم و ادراک کے قافلے کس منزل کی طرف بڑھیں۔ ہاں ایک ایک سوال ایک ایک الجھن، دل و دماغ میں تشویش والم کے طوفان اٹھارہی تھی۔ آپؐ نے ان مسائل پر غور و فکر کی ٹھان لی اور جیتے جی ان سے عہدہ برا ہونا ہے لیکن کس طرح۔۔۔۔

آپؐ نے سوچا کہ کہیں گوشہ نشین ہو جائیں کہ اس سے بھی فکر کے دبستان سجانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔اس کو پانے اور حاصل کرنے کے لیے جو جگہ پسند کی گئی وہ ایک غار تھا۔۔۔۔۔۔یہ بھی نہیں کہ صوفی وراہب کی طرح قلب کی پنہاوں کے ذریعے کسی حقیقت کو اچک لینے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس کے برعکس ان کا اسلوبِ کار یہ ہے کہ اللہ کے سامنے بار بار جھکیں، سجدے کریں، روئیں، تضرع والحاج سے دعاء مانگیں، اپنی عبودیت کو بیدار کریں، ابھاریں اور اس طرح اس کی ربوبیت اور رحمت کو اکسانے میں کامرانی حاصل کریں۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہو کہ اللہ کا یہ بندہ جوں ہی عبادت سے فارغ ہوا، جبرئیل امینؑ نے مژدۂ وحی سنایا، گویا سجدہ ورکوع، خشوع وخضوع کامیاب ہوا۔ کنگرِ عرفان میں جنبش ہوئی، رحمتِ حق جوش میں آئی اور انسان کو پیغام سے نوازا گیا۔ جس میں اس کی تمام مشکلات کا قیامت تک کے لیے حل موجود ہے۔"

گویا عطائے منصب ختمِ نبوت اور نزولِ قرآن آپؐ کے کسب وکوشش کا نتیجہ ہے۔ایسی باتیں حقایق ومعارف اور محکماتِ قرآنِ مجید کے سراسر منافی ہیں۔افسوس کہ صوفی اور راہب دونوں کو ایک ہی منزل میں پیش کر دیا گیا۔حالانکہ دونوں میں اسلامیت اور غیر اسلامیت کا بین فرق ہے۔

غرض حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عام انسانوں بلکہ خاص الخاص انسانوں کی فطریات اور نیچرل اُصول کا تابع قرار دینا صحیح طریقہء کار نہیں ہے۔کیونکہ آپؐ کی ذاتِ مبارک، وہابِ تعالیٰ جل شانہٗ، کی شانِ وہبیت کی مظہر اتم واکمل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا کہ:-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔۔الخ (سورۃ ال الکھف۔110)

ترجمہ:- کہو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہدایت کا کام اپنے منتخب انسان ہی کے ذریعہ لینا چاہتا ہے اس لیے آپؐ کی پیدایش، انسانوں کی طرح ہوئی اور آپؐ کا وجودِ مبارک بظاہر انسان ہی کے جیسا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ خصوصیت بھی واضح کرادی۔

يُوْحٰٓى اِلَيَّ (سورۃ الانعام۔50)

ترجمہ:-میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

یہ وہبیت کی ایسی اعلیٰ خصوصیت ہے کہ عالمِ بشریت میں آپؐ کا مقام ممتاز اور بلند وبرتر ہو جاتا ہے۔اگرچہ یہ خصوصیتِ وہبیت دوسرے انبیاء ومرسل علیہم السلام کو بھی حاصل رہی ہے لیکن خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیتِ اعلیٰ یہ ہے کہ ابولبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدایش کے پہلے ہی سے آپؐ کی نبوت کے نورِ مبارک کا ظہور ہو چکا تھا

چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:-

" كُنْتَ نَبِيًّا وَ آدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ"

ترجمہ:-میں نبیؐ اُس وقت تھا جب کہ آدمؑ مٹی اور پانی میں تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صاحبِ نبوت ہونا، آپؐ کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے۔بلکہ خالقِ کائنات جلِ شانہٗ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے پہلے ہی آپؐ کے نور کا، سرورِ کائنات کی حیثیت سے ظہور فرمادیا تھا۔

حضرت شیخ محی الدین اکبرؒ نے "خصوص" میں مذکور الصدر حدیثِ شریف کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے:-

"وَغَيْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ مَا كَانَ نَبِيًّا اِلَّا حِيْنَ بُعِثَ وَ كَذَالِكَ خَاتِمُ الْاَوْلِيَاءِ وَ كَانَ وَلِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَ

الطِّيْنِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ مَا كَانَ وَلِيًّا اِلَّا بَعْدَ تَحْصِيْلِ شَرَايِطِ الْوِلَايَةِ"

ترجمہ:- آپؐ کے سوائے جتنے انبیاء ہیں وہ نبی اُس وقت ہوتے ہیں جب کہ اُن کی بعثت ہو۔ اسی طرح خاتم الاولیاء اُس وقت سے ولی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی جارہی تھی۔ تمام اولیاء کے سوائے جو ولی ہوتے ہیں وہ اُس وقت ولی ہوتے ہیں جب کہ اُن کو ولایت کی شرایط حاصل ہوں۔

اس سے ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء کی شانِ وہبیت بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ جس طرح تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی نبوت ورسالت میں اور حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت ورسالت میں خصوصیات کا فرق ہے اُسی طرح تمام اولیاء کی ولایت اور خاتم الاولیاء کی ولایت میں خصوصیات اور مراتب کا فرق ہے۔

اس مختصر توضیح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خاتم الانبیاء کا منصب، محمد ﷺ کے ذاتی کسب و کوشش کا نتیجہ نہیں تھا۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ خاتم الانبیاء کے افضل الانبیاء والمرسلین ہونے کی علتِ تامہ یہی ہے کہ آپؐ کے نور کا ظہور، حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے پہلے ہوچکا تھا۔ تمام انبیاء و مرسلین کے انوار، اُسی نور سے ظہور پاتے ہیں۔ جس کو "حبِ ازلی"، "عشقِ حقیقی"، "مبداءِ ولایت" اور "تعینِ اول" کہتے ہیں۔

یہ بات واضح ہوچکی کہ نبیءِ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ منصبِ خاتم الانبیاء پر جو فائز ہوئے اور آپؐ پر قرآنِ مجید نازل ہوا، یہ آپؐ کے کسب اور ذاتی جدوجہد کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس لیے آپؐ کی نبوت اور ولایت کی طبعیٔ سائنس (فزیکل سائنس) نیچرل اصول کا تابع نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ آپؐ کے وجودِ مبارک اور منصبِ عظیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہابِ تعالیٰ نے خلقتِ کائنات اور خلقتِ ابوبشر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی آپؐ کو "عشقِ حقیقی" کا مظہر گردانا ہے۔ جسے صوفیہ کرام رحمہم اللہ علیہم کی اصطلاح میں "تعینِ اول" کہا جاتا ہے۔

اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ مسئلہ "الٰہیات" یعنے مافوق الطبیعیات **(Metaphysics)** سے تعلق رکھتا ہے۔

"تعینِ اول" کا مسئلہ صوفیائے کرام میں مشہور و متعارف ہے۔ اس کی بناء "عشقِ حقیقی" سے نسبت رکھتی ہے۔ کمالِ محبت کو "عشق" کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات میں "عشق" بھی ایک صفت ہے۔ کمالِ علم کے ساتھ کمالِ محبت، صرف واجبِ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) میں پایا جاتا ہے۔ ممکنات (موجودات) میں نقوص ناطقہ کو جا کمالِ محبت حاصل ہوتا ہے۔ اس میں علم و عقل اور محبت کے زوال کا بھی امکان رہتا ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص الخاص بندے ایسے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے زوالِ کمالِ محبت سے محفوظ فرمایا تھا۔ جیسا کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء صلی اللہ علیہما و آلہما و اصحابہما و سلم کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کیونکہ وہ عشقِ حقیقی کے مظہرِ اتم تھے۔

فخر الدین عاوقی نے "لمعات" میں ظہورِ عشقِ حقیقی کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبارِ ظاہر، دوسرا اعتبارِ باطن۔ اعتبارِ ظاہر سے مراد، عاشق، اور اعتبارِ باطن سے مراد معشوق ہے۔ تحریکِ تجلّی ذاتی سے باطنِ ذات صیقل دار آئینہ ہوگیا۔ جس میں باری تعالیٰ کے ظاہر وجود کا حسن جلوہ گر ہوا۔

یہی حبِ ذاتی "عشقِ حقیقی" مبدءِ ولایتِ محمدیہ ہے۔ جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں "تعینِ اول" کہتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی یہی ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین کو اسی نورِ ولایتِ محمدؐیہ کا فیضان حاصل رہا ہے۔

واضح ہو کہ جس طرح چاند، منور ہونے میں آفتاب کی ضیاء باریوں کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح ولایت کے بغیر نبوت، منور نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ولایت کو آفتاب سے اور نبوت کو ماہتاب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی نبی، اس وقت تک مرتبۂ نبوت پر فائز نہیں کیا جاتا، جب تک کہ اس کو پہلے نورِ ولایت سے مشرف نہ کیا جائے۔

اس سے قبل ایک حدیثِ شریف درج کی گئی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

"میں اُس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔"

اس حدیثِ شریف کی شرح حضرت شیخ محی الدین اکبرؒ نے جو فرمائی ہے۔ ناظرین کی سہولت کے لیے اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

"خاتم الانبیاء کے سوائے ہر نبی اس وقت نبی ہوتا ہے جب کہ وہ مبعوث ہو، اسی طرح خاتم الاولیاء بھی اس وقت سے ولی ہیں جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔ اور آپؐ کے سوائے ہر ولی اس وقت ولی ہوتا ہے جب کہ اس کو ولایت کی شرائط حاصل ہوں۔"

جب حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے، آپؐ نبی تھے تو ماننا پڑتا ہے کہ نبی ہونے سے پہلے آپؐ نورِ ولایت سے مشرف تھے۔ یہ ایسا خاص الخاص "نورِ ولایت" ہے جس کو "ولایتِ محمدیؐہ" کہا جاتا ہے۔ اس لیے آپؐ کی نبوت کا منصب تمام انبیاء و مرسلین میں اولیت، اوّلویت اور خاتمیت کی شان کا حامل ہے۔

"حقیقتِ محمدیؐ کے باب میں صوفیائے محققین و علمائے متکلمین کی معرکتہ الآرا بحثیں پائی جاتی ہیں۔ علامہ سید شریف جرجانی رحمتہ اللہ علیہ نے تعریفات میں لکھا ہے:-

الحقیقة المحمدیة هی الذات مع التعین الاول و هو الاسم الاعظم

یعنی حقیقتِ محمدیؐہ وہی ذات ہے (جس کا ظہور) تعین اول کے وقت ہوا اور وہی اسمِ اعظم ہے۔

"تحفۂ مرسلہ" میں لکھا ہے:-

والمرتبة الثانية مرتبة تحرمن الاول وهی عبارة عن علمه تعالیٰ لذانه و صفاته و بجمیع الموجودات علیٰ وجه الاجمال من غیر امتیاز بعضها عن بعض و هٰذا المرتبة تسمیٰ بالوحدة والحقیقة المحمدیة

حاشیہ:- (مقت) "مع" یعنی "وقت" مثلاً مع العشیرات کے وقت (المنجد)

ترجمہ:- دوسرا مرتبہ، تعینِ اول کا مرتبہ ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات و صفات اور تمام موجودات کا علم، بغیر تفصیل کے ہونا مراد ہے اور اس مرتبہ کو وحدت اور حقیقتِ محمدیہؐ کہا جاتا ہے۔

"نفسِ رحمانی" علمِ تصوف کی مشہور و متداول کتاب میں لکھا ہے:-

و ایں مرتبه را حقیقتِ محمدی می گویند که ظهور واثرآں محمدؐ ﷺ است۔ اگر ظهورِ محمد علیه السلام نبودے ہیچ موجود از موجودات ظاہر نه شدے و برائے ایں در حقِ حبیبِ خود فرموده لولاک لما خلقت الافلاک بلکه لولاکه لما اظهرت ربوبیتی۔

ترجمہ:- اس مرتبہ کو حقیقتِ محمدیؐہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا ظہور و اثر محمد ﷺ ہیں۔ اگر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور نہ ہوتا تو موجودات سے کوئی بھی موجود، ظاہر نہ ہوتا۔ اس لیے اپنے حبیب محمد ﷺ کے حق میں (حدیثِ قدسی) میں فرمایا۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک پیدا نہ کرتا بلکہ اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت ظاہر نہ کرتا۔

"مقصدِ اقصیٰ" میں اس مسئلہ کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چوں نزؤل و عرؤج " جوہرِ اول" را دانستی و بزرگی " جوہرِ اول" را شنیدی کنوں بداں کہ رسول اللہ صلعم می فرماید کہ " جوہرِ اول" ما خلق اللہ روحی و دیگر آمدہ است۔ اولِ ما خلق اللہ نوری چوں " جوہرِ اول" ، روحِ محمد علیہ الصلوٰۃ و السلام پیشِ ازاں کہ بایں عالم آمد پیغمبرؐ خبر داد کہ کنت بنیا و آدم بین الماء والطین و اکنوں کہ ازیں عالم رفتہ است۔ ہم پیغمبر باشد و ازیں معنی خبرداد کہ "لا نبی بعدی ۔ اے جانِ من ہر چند کہ صفت بزرگوارئ محمد صلعم بکنم از ہزاریکے نہ گفتہ باشم و چند صفتِ جوہرِ اول بکنم ہیچ نہ کردہ باشم۔

ترجمہ:- "جوہرِ اول" کے عروج و نزول کو تم جان چکے۔ اور "جوہرِ اول" کی بزرگی کو سن چکے۔ اب یہ جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جوہرِ اول "میری روح ہے۔ اللہ نے پہلے میری روح کا ظہور فرمایا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ نے پہلے میرے نور کو ظاہر کیا۔ جب جوہرِ اول، روحِ محمد علیہ السلام ہے تو معلوم ہو کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے آپؐ پیغمبر تھے۔ اسی لئے آپؐ نے خبر دی کہ "میں اُس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔ اور اب جب کہ آپؐ اس دنیا سے تشریف لے جا چکے۔ اب بھی پیغمبر ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے خبر دی کہ "میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ "اے جانِ من! جو کچھ کہ صفت اور بزرگی محمد ﷺ کی میں نے بیان کی ہے ہزار میں ایک بھی نہیں ہے۔ اور جو کچھ "صفتِ جوہرِ اول" کی بیان کروں، کچھ بھی بیان نہ کرنے کے برابر ہے۔

ان حوالوں میں جو احادیث آئی ہیں ان کے بارے میں اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ محدیثین نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے تو یہ شبہ لایقِ التفات نہیں۔ اس لیے کہ محدیثین نے اپنے "مستخرجۂ شرائط" کے تحت ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا ہے۔ "شرائطِ رجال" کیوں نہیں پائے گئے؟ اس کے اسباب پر بھی غور کرنا ہو گا۔ یہ احادیث اور حدیثِ قدسی " لولاک لما خلقت الافلاک" (اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک پیدا نہ کرتا) حقایق و معارف سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حقایق و معارف، پوشیدہ طور پر خاص خاص اہلؓ حضرات پر ظاہر کئے جاتے تھے۔ اس لیے ایسی احادیثِ شریفہ کے سننے اور سمجھنے والوں کی تعداد پوشیدہ رہی۔ اور ان احادیثِ شریفہ کا تعلق نماز، روزہ وغیرہ عملیات سے نہیں ہے، اس لیے عام طور پر علانیہ رجال کو سننے کا موقع نہیں ملا۔ جس کی وجہ سے شرائطِ رجال کی تکمیل، محدیثین کے لیے مشکل ہو گئی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے مستخرجہ اصول کے تحت ان احادیث کو ضعیف قرار دے دیا۔ لیکن حدیث ہونے سے انکار نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احادیث "اہلِ باطن" کے پاس زیرِ استدلال رہی ہیں۔ بڑے بڑے صوفیہ اور بڑے بڑے اولیاء نے اپنی کتابوں اور ملفوظات میں ان احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔ بلکہ صوفیہ اور اولیاء رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کو بھی ان احادیث کے بارے میں، حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہونے میں کوئی شبہ نہیں پایا جاتا۔ اہلِ باطن اور محققینِ صوفیہ رحمہم اللہ کا یہ اتفاقِ کامل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ احادیثِ شریفہ اہلِ باطن کو باطنی طریقوں پر علی التسلسل پہنچتی رہی ہیں۔ لہٰذا ان احادیثِ شریفہ کے صحیح ہونے کے بارے میں کوئی شبہ لائقِ التفات نہیں۔

شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی نے لکھا ہے:-

درحدیثِ صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری معہ سائر مکونات علوی و سفلی ازاں نور و ازاں جوہر پیدا شدہ۔ (مدارج نبوت جلد 2)

ترجمہ:- حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کا ظہور کیا اور تمام کائناتِ آسمانی و زمینی اسی نور اور اسی جوہر سے پیدا

ہوئے ہیں"۔

اس سے ظاہر ہے کہ بعض محدثین نے بھی اس حدیثِ شریف کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ احادیثِ مذکورۃ الصدر میں "خلق" کا لفظ جو آیا ہے، اس کے معنی ہیں "ظہور کیا" البتہ کائنات کے لیے "خلق" کا لفظ آئے تو اس کے معنی ہونگے "پیدا کیا" چنانچہ قرآنِ مجید کی مندرجۂ ذیل آئیہ شریفہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔الخ (سورۃ البقرۃ-29)

یعنی اللہ نے تمہارے لیے زمین اور آسمان کی ہر چیز پیدا کی۔

کائنات کی ہر جنس، ہر نوع، ہر فرد، خواہ سماوی ہو یا خلائی، ارضی ہو یا بحری، عقول ہوں یا نفوسِ ناطقہ، مرئی ہوں یا غیر مرئی، سب مخلوقاتِ عالم میں شامل ہیں۔ اس لیے ان پر "خلق" کے معنی "پیدا کیا" صادق آتے ہیں۔ لیکن "تعینِ اول" "ولایتِ محمدیہ" پر "خلق" کے معنی "پیدا کیا" صادق نہیں آسکتے کیوں کہ یہ فی الحقیقت، صفتِ الٰہیہ ہے۔ غرض تحقیقی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات، مخلوقات سے نہیں ہیں۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا (البقرہ۔257)

یعنی اللہ مومنین کا ولی ہے۔

وَهُوَ الوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (الشوریٰ۔28)

ولایت، اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے بارے میں یہ آیاتِ شریفہ دلیلِ بین ہیں۔ خصوصیتِ ظہور کے اعتبار سے ولایت، اگر بطورِ مجاز، محمد ﷺ کی طرف منسوب ہو اور اُس کو "ولایتِ محمدؐیہ" کہا جائے، تو محمد ﷺ ہی کی ولایت، نہیں قرار دی جاسکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے "توریت" کو قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كِتَابُ مُوْسٰى اِمَامًا وَ رَحْمَةً (سورۃ الھود۔17)

یعنی موسیٰ کی کتاب، امام اور رحمت ہے۔

حالانکہ فی الحقیقت "توریت" اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کے تعلق سے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کہا گیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام ہی کی مصنفہ کتاب نہیں قرار دی جاسکتی۔!! اس کو "اضافتِ بادنٰی ملابست" کہا جاتا ہے۔ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کے اعتبار سے "توریت" کو "کتابِ موسیٰ" کہا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ کتابُ اللہ ہے۔

اسی طرح باعتبارِ "ظہور" بلاظِ سبب تخلیقِ کائنات، اگر ولایتُ اللہ کو ولایتِ محمدؐیہ کہا جائے تو ہم محمد ﷺ ہی کی ولایت مراد نہیں لے سکتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ ولایتُ اللہ، صفتِ الٰہیہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع صفات، حادث یا مخلوقات میں شامل نہیں ہے۔ اس لیے ولایتِ محمدیؐ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کی وجہ سے حادث یا مخلوقات میں شامل نہیں ہے۔ اس لیے " اول خلق اللہ نوری یا اول ما خلق اللہ روحی" میں "خلق" کے معنی "پیدا کیا" نہیں ہوتے۔

چنانچہ تمہیداتِ عین القضاتِ ہمدانی میں لفظِ "خِلْقَتْ" کی یہی تحقیق بیان کی گئی ہے۔

جواب سوالِ دیگر فرا پیش باید گرفت اول ما خلق اللہ نوری۔ اے عزیز خلقت بزبانِ عرب بر چند معنی حمل کنند بمعنی آفریدن باشد چنانکه خلق لکم ما فی السماواتِ والارض۔ و بمعنی تقدیر باشد و بمعنی ظہور و بروں آمدن باشد و بدیں حدیث ظہور وجود او۔

ترجمہ:- دوسرے سوال کے جواب پر غور کرنا چاہیے (حضرت رسول صلعم نے فرمایا) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اے عزیز! زبانِ عرب میں خلقت کے چند معنی لیے جاتے ہیں۔ (جیسا کہ) پیدا کرنے کے معنی ہیں چنانچہ (خلق لکم ما فی السمٰوٰت والارض) (اللہ نے تمہارے لیے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز پیدا کی) اور تقدیر کے معنی میں اور ظہور اور باہر آنے کے معنی میں اس حدیث (اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ) سے مراد اس کے وجود کا ظہور ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ "تعینِ اول" یا "ولایتِ محمدیہ" چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے متعلق ہے اس لیے "ظہور" کے معنی ہی منطبق ہو سکتے ہیں۔

شیخ عبد الرزاق کاشانیؒ نے "شرح خصوص محکم" میں لکھا ہے:-

فھوم اتم المعارف امامن حبیث عینیه فلان العین المحمدیة من حیث کونها متعینة بالبرزخیبة الکبریٰ فھو عین الذات الاحدیة من حیث کونها متعینة بالتعین الاول۔

ترجمہ:- پس آپؐ (محمد صلعم) اتم المعارف ہیں۔ لیکن عینیت کے اعتبار سے اس لیے کہ عینِ محمدیؐ، برزخیتِ کبریٰ سے متعین ذاتِ احدیت ہے۔ جو تعینِ اول سے متعین ہے۔

اس مختصر توضیح سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ "تعینِ اول" "جوہرِ اول" اور "ولایتِ محمدیہ" کے بارے میں صوفیائے محققین کی تصریحات کیا ہیں! لہٰذا اس کو صرف "مہدویہ" سے مخصوص قرار دے کر مہدویوں پر الزام عاید کرنا کہ فلاسفۂ یونان کی طرح مہدوی بھی بعض مخلوقات کو قدیم مانتے ہیں۔ ظلمِ عظیم ہے!!

حالانکہ مہدویہ کا اعتقاد یہی ہے کہ لَاقَدِیْمُ اِلَّا اللّٰہ یعنی اللہ کے سوائے کوئی قدیم نہیں ہے۔ اور کلام اللہ کو بہ حیثیتِ کلامِ نفسی جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ ذات ہے۔ غیر مخلوق مانتے ہیں۔ ہماری زبان سے قرآنِ مجید کے جو حروف، الفاظ اور کلمات مُتَلَفَّظ ہوتے ہیں اور سیاہی، کاغذ اور کتاب کی جو صورت ہے اس کو مخلوق مانتے ہیں۔

اس لیے ہمارے اعتقاد کی نسبت فلاسفۂ یونان وغیرہ کے نظریات سے مماثلت قایم نہیں کی جاسکتی جیسا کہ "ہدیۂ مہدویہ" میں ناحق الزام عاید کیا گیا ہے۔!!!

بہ نظرِ انصاف تفحص کیا جائے تو آسانی سے متحقق ہو گا کہ یہ بے بنیاد الزام تمام اکابر صفیہ اور تمام اکابرِ اولیاء رحمہم اللہ علیہم پر بھی عاید ہوتا ہے۔

مقامِ غور ہے کہ بعض فلاسفہ اور بعض ادیان نے بعض مخلوقات کو قدیم قرار دیا ہے، مثلاً عقول، افلاک، عالم اور مادہ کو قدیم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کائنات میں شامل ہیں۔ جنھیں خالقِ کائنات نے پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے یہ بھی حادث ہیں، مخلوقاتِ الٰہیہ ہیں۔ ان کو قدیم، غیر مخلوق اور قایم بالذات کہنا، از روئے احکامِ اسلام، کفر، شرک اور الحاد قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن "ولایتِ محمدیہ" کو قدیم ماننے سے فلاسفہ وغیرہ کے نظریات کی مطابقت قطعاً منطبق نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ ولایتِ محمدیہ فی الحقیقت ولایتِ الٰہیہ

ہے۔ مصطفیٰ ﷺ کی طرف ولایت کی نسبت مجاز کی حیثیت سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام "توریت" کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بطورِ مجاز ہے۔

لہٰذا ولایتِ محمدیہ کو ولایت اللہ یعنے اللہ کی صفت ہونے کی جہت سے ہم کائنات میں شامل نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قدیم ہے۔ ابدی و سرمدی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہدویہ پر بعض مخلوقات کو قدیم ماننے کا الزام سراسر بے بنیاد اور مبنی بر عناد ہے۔!!!

چونکہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام خاتم ولاتِ محمدیہ ہیں اس لیے آپؑ بھی عشقِ حقیقی کے مظہر اتم ہیں۔

حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح فصوص الحکم میں تحریر فرمایا ہے:-

الولاية لا منقطع ابد افانمامن الجهة التى تلى الحق سجانه وهى باقية دائمة ابدا سرمدا و اكمل مظاهر ما خاتم الاولياء

یعنی ولایت کبھی منقطع نہیں ہوتی کیوں کہ یہ وہ جہت ہے جو حق سبحانہٗ سے متعلق ہے۔ اور وہ ابدی و سرمدی طور پر دائماً باقی ہے اور ولایت کا کامل ترین مظہر خاتم الاولیاء ہے۔

صاحبِ مطلع خصوص الکلم شرح فصوص الحکم نے تحریر فرمایا ہے:-

الولاية صفة الٰهية لذالک مسمیٰ نفسه بالولى الحسيد قال الله ولى الذين آمنوا فهى غير منقطع ازلاوابد اولا يمكن الوصول لاحدمن الانبياء و غيرهم الى الحضرة الالٰهية الا بالولاية التى هى باطن النبوة و هٰذه المرتبة من حيث جامعية الاسم الاعظم لخاتم الانبياء و من حيث ظهورها فى الشهادة بتمامهالخاتم الاولياء۔

ترجمہ:- ولایت صفتِ الٰہیہ ہے۔ اسی لیے اپنے آپؑ کو الولی الحمید سے موسوم فرمایا ہے اور فرمایا اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔ پس وہ ازلاً ابداً غیر منقطع ہے۔ اور کسی نبی وغیرہ کو بارگاہِ الٰہی تک رسائی بغیر ولایت کے ممکن نہیں ہے۔ اور وہی نبوت کا باطن ہے۔ اور یہ مرتبہ اسمِ اعظم کی جامعیت کی حیثیت سے خاتم الانبیاء اور اس کے شہود میں ظاہر ہونے کی حیثیت سے "خاتم الاولیاء" ہی کے لیے ہے۔

قرآنِ مجید میں "نور" کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔ نور کے معنی روشنی کے ہیں۔ آیاتِ کریمہ کے شانِ نزول اور سیاقِ کلام کے لحاظ سے "نور" کے معنوں میں تخصیص پائی جاتی ہے۔ بعض آیاتِ کریمہ میں، نور سے آگ کی روشنی، آسمان کی روشنی، عام روشنی، اسلام کی روشنی، ایمان، ہدایت، سببِ ہدایت، توحید و اعمالِ صالحہ، وہ نور جس کی وجہ سے قیامت کے موقع پر "پل صراط" پر سے چلنا سہل ہو گا، روشن کیا گیا، روشنی، قرآنِ مجید کی روشنی، شریعت و براہینِ الٰہیہ کی روشنی وغیرہ مراد ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر آیات پیش کر کے تفصیلی توضیح نہیں کی گئی۔

سورۃ الزخرف کے رکوع 6# میں پہلے یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ الہام سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ کے ذریعہ وحی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ سے خاص طور پر خطاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿52﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿53﴾ (سورۃ الزخرف)

ترجمہ:-اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح کو وحی کیا۔ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اُس کو (روح کو) نور کیا، جس کے ذریعہ ہمارے بندوں میں سے ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور تم (بھی) بے شک صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں کی ہر چیز جس کی ہے (صراطِ مستقیم) اُسی اللہ کا راستہ ہے۔ جان لو! سب امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

اس آئیہ شریفہ کے لفظِ "روح" کے بارے میں غور و تفحص کی ضرورت ہے۔ بعض نے روح سے جبرئیل اور بعض نے قرآن مراد لی ہے۔ لیکن سیاقِ کلام، مزید تفحص کا مقتضی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

"تم نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب (قرآن) کیا ہے اور نہ ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے اس روح کو نور کیا ہے۔" یعنے محمد ﷺ کے لیے یہ روح سببِ ہدایت اور وسیلہ ہے۔ جس کی وجہ سے آپؐ کتاب (قرآن) اور ایمان کو جان سکے اور صراطِ مستقیم کی طرف رہبری فرما سکے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ بھی اپنے بندوں سے جس کو چاہتا ہے اُسی روح کے ذریعہ سے ہدایت فرماتا ہے۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ یہ نورِ روح اور قرآن کے سوائے کچھ اور ہی ہے۔ یعنے یہ اُس "روحِ محمدیؐ" کی جانب اشارہ ہے جس کا ذکر حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ یعنی اللہ نے سب سے پہلے میری روح کا ظہور فرمایا۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آئیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اُسی ظہورِ اول کی یاد دلائی ہے۔ جو کائنات کی خلقت کا باعث بھی ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین کے منور اور منیر بننے کا سبب بھی۔ اور جس کی وجہ سے آپؐ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نبیؐ تھے۔

اس حدیثِ شریف سے اس آئیہ کریمہ کی تفسیر بھی ہو رہی ہے اور آئیہ کریمہ سے اس حدیثِ شریف کی تطبیق بھی---

نیز المطلق ینصرف الی فردا لکامل (یعنی مطلق، فردِ کامل کی فرف لوٹایا جاتا ہے)

کے ضابطہ کے لحاظ سے بھی اس روح سے وہی فضلِ ظہورِ اول مراد ہونی چاہیے۔ جس کو "روحِ محمدیؐ" "ولایتِ محمدیؐ" کہا جاتا ہے۔ جس سے صراطِ مستقیم، صراط اللہ یعنے صراطِ بصیرۃ اور راہِ لقائے رب کی طرف بھی آپؐ نے رہبری فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں میں سے جس بندۂ خاص کو چاہتا ہے اسی نورِ روح سے ہدایت فرماتا ہے۔

واضح ہو کہ آئیہ شریفہ "نَهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا" میں "مَنْ" کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسی نورِ روح سے فیض یاب ہو گا جس سے حضرت محمد ﷺ فیض یاب ہوئے ہیں۔

اس لیے کہ "نَهْدِيْ بِهٖ" میں بِهٖ کا مرجع وہی "روح" ہے جس کی شان میں "وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا" وارد ہے۔ اس لیے "مَنْ" خاص ہے۔

لہٰذا "نَهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا" آئیہ شریفہ سے یہ اشارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ مہدیٔ موعود، خاتم الاولیاء بھی "عشقِ حقیقی" کے مظہرِ اتم ہیں۔ حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی "شرح فصوص الحکم" اور "مطلع خصوص الکلم" کے جو حوالے بطورِ مثال ہم نے پیش کیے ہیں، اُن سے بھی

خاتم الاولیاء کی یہی خصوصیت متبادر ہے۔

حضرت مہدئ موعود علیہ السلام نے بھی خدائے تعالیٰ کے بے واسطہ حکم سے فرمایا کہ اس آئیہ شریفہ میں "مَنۡ" خاص ہے۔ اس بندہ کی ذات مراد ہے۔

اس آئیہ شریفہ کی تفسیر میں "روح محمدی ﷺ" اور "ولایتِ محمدی علیہ السلام" کی شان اور "مَنۡ نَّشَآءُ" کی خصوصیت کو حضرت بندگی میاں شاہِ قاسم مجتہدِ ملتِ مہدویہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ثابت فرمایا ہے:-

قولہ تعالٰی وَکَذَالِکَ اَوۡحَیۡنَا اِلَیۡکَ ہمچناں وحی کردیم پیغامبرانِ پیشین را ۔ ازولایتِ تو کہ روح ارواح ہمہ انبیاء و مخزن وحی و معدن اخذ جبرئیلؑ است ہمچنا فرستادیم " روحاً عین آں ولایت است کہ ہمچوں روح است محی ارواح ہمہ انبیاء و اولیاء معلم جمیع علوم است من امرنا ازیں عطیہ و ما کنت تدری ماالکتاب ولا الایمان نبوی توکہ بدنی چہ چیز است قرآن وچیست وحی ونہ معرفتِ ایمان دانستی۔ ولٰکن جعلناہُ نوراً و لیکن گردانیدم آں رو نور کہ روشن است و روشنی دہندہ کہ بو ساطتِ آں ہمہ را دیدی و دانتی و دریافتی و او مسما است۔ بہمہ اسماء و موصوف است بہمہ اوصات و منزہ است از ہمہ اشیاء و ہیچ موجودے نیست و نبود و نباشد پیشِ وجودِ او نہدی بہٖ نشاء من عبادنا۔ راہ نمایم بداں نورِ ولایتِ تو بے واسطۂ ملک ہر کسے را نجواہیم از بندگانِ ما آں کس مخصوص است از بندگانِ خاص کہ خطا یش مہدیست بہ نقل آنحضرت علیہ السلام ثبوت یافتہ کہ ایں من خاص است (مجمع الآیات)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- "وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ" اور اسی طرح ہم نے اگلے پیغمبروں کی وحی کی ہے۔ تیری ولایت کے ذریعہ جو تمام انبیاء کی ارواح کی روح اور وحی کی مخزن اور اخذ جبرئیلؑ کی معدن (جبرئیلؑ اسی معدن سے حاصل کرتے ہیں) اسی طرح ہم نے بھیجا (روحًا) روح کو وہی ولایت (ولایتِ مصطفیٰؐ) ہے جو مثلِ روح ہے تمام انبیاء اور اولیاء کی ارواح کو زندہ کرنے والی تمام علوم کی تعلیم دینے والی ہے۔ "من امرنا" ہمارے فرمان سے اور اس عطیہ سے پہلے "مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ"۔ تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا چیز ہے وحی کیا ہے اور نہ ایمان کی معرفت تجھ کو تھی۔ "وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا" اور لیکن ہم نے کیا ہے اس کو نور، جو روشن ہے اور روشنی دینے والا ہے۔ اسی نور کے ذریعہ تو نے سب کو دیکھا اور جانا اور معلوم کیا اور وہ نور مستمی ہے تمام اسماء سے اور موصوف ہے تمام اوصاف سے اور منزہ ہے تمام اشیاء سے اور کوئی مخلوق نہیں ہے اور نہ تھی اور نہ ہوگی اس نور (روح) کے وجود (ظہور) سے پہلے۔ "نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا" ہم تیرے اسی نورِ ولایت سے راستہ دکھاتے ہیں۔ فرشتہ کے واسطہ کے بغیر جس کو ہم چاہتے ہیں ہمارے بندوں میں سے وہ شخص مخصوص ہے خاص بندوں سے جس کا خطاب مہدیؑ ہے۔ آنحضرت مہدی علیہ السلام کی نقل سے ثابت ہوا ہے کہ "مَنۡ نَّشَآءُ" کا "من" خاص ہے۔

حضرت مجتہدِ ملتِ مہدویہ علیہ الرحمتہ نے "ولایتِ مصطفیٰؐ" کی مزید تصریح اس طرح فرمائی ہے:-

نقلِ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ بالا گذشت کہ ولایتِ مصطفیٰؐ الآن کما کان۔ و مقرر است کہ الولایۃ لا منقطع ابداً چراکہ ولایتِ مصطفیٰؐ نورِ خاص ذاتِ خدا است۔داد ہمیشہ بود و باقی

است و لہٰذا قال علیہ السلام کنت بینا و آدم بین الماء الطین (دلیلِ العدل ا الضل)

ترجمہ:- بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی نقل اوپر گذری کہ ولایتِ مصطفیٰؐ اب بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ تھی اور ثابت ہے کہ ولایت کبھی منقطع نہیں ہوگی کیوں کہ ولایتِ مصطفیٰؐ ذاتِ خدا کا نورِ خاص ہے۔ اور ہمیشہ تھا اور باقی ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- "میں نبی اس وقت تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔"

ان حوالوں میں دو امور خاص طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس آئیہ شریفہ میں روح سے مراد "ولایتِ محمدیؐہ" ہے۔ قرآنِ مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "روح" کا ذکر کئی مقامات پر ہوا ہے، ہر جگہ روح کے معنوں میں سیاقِ کلامِ الٰہی سے جدا، جدا، تخصیص پائی جاتی ہے۔ کہیں جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ کہیں روح نامی فرشتہ، کہیں روح نامی فرشتوں کی جماعت۔ کہیں روحِ بدن مراد ہے، جو زندگی و حیات کا باعث ہوتی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بطورِ مجاز، اور کہیں بطورِ صفتِ ذات، مخصوص ہے۔ ان سب کی توضیح کا یہ محل نہیں ہے۔

غرض "روح" کا تعلق، جہتِ کائنات سے ہو تو اُس کو مخلوقات میں شامل سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام کو جہاں روح کہا گیا ہے وہاں روح مخلوقات میں شامل ہے۔ کیوں کہ اس مقام پر روح کا اطلاق جبرئیل علیہ السلام پر ہو رہا ہے اور جبرئیل علیہ السلام مخلوقات سے ہیں۔

اور جہاں روح کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے بطورِ مجاز ہو جیسے کہ "نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" (میں نے پھونکا اس میں میری روح سے) یہاں روح (جان) کی نسبت، اللہ تعالیٰ کی طرف بطورِ مجاز ہے۔ اِس سے اُس روحِ بدن کی ملکیتِ الٰہیہ اور شرافت و عظمت کا اظہار مقصود ہے جیسا کہ فرمایا:- "وَطَهِّرْ بَيْتِيَ" (میرے گھر کو پاک رکھ) یہاں بیت (گھر) کی نسبت اللہ کی طرف بطورِ مجاز ہے۔ کیوں کہ خدائے تعالیٰ کے لیے زمان و مکان کی قید نہیں ہے۔ اسی طرح "روحی" میں اللہ کی طرف نسبت، بطورِ مجاز ہے۔

روح کا تعلق خدائے تعالیٰ کی جہتِ صفت و ذات سے ہو تو وہ مخلوقات میں شامل نہیں سمجھی جا سکتی۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت "ولایتِ محمدیؐہ، صفتِ الٰہیہ ہے۔ اسی لیے حضرت شاہِ قاسمؒ نے اس موقع پر "روح" سے مراد "ولایتِ مصطفیٰؐ" بیان کی ہے۔ اس روح کی مزید صراحت سے منطق عاجز ہے۔ صاحبِ "المنجد" نے لکھا ہے "الروح الاعظم" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت شاہِ قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرا امر یہ بیان کیا ہے کہ ولایتِ محمدیؐہ، خدائے تعالیٰ کی ذات کا خاص نور ہے۔ اور حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیقِ ولایت رضی اللہ عنہٗ کی روایت درج کی ہے کہ "ولایتِ مصطفیٰؐ الآن کَمَا کَانَ" (ولایتِ مصطفیٰؐ جیسی تھی اب بھی ویسی ہی (باقی) ہے۔

حضرت خواجہ طٰہٰ مہری رحمتہ اللہ علیہ جلیل القدر تابعین سے ہیں، ولایتِ مصطفیٰؐ کے بارے میں آپ کے چند اشعار بھی درج کیے جاتے ہیں۔

کنت کنزا کہ بُدِ قِدَم مَستُور
چوں زکتمانِ صرف خو است عبور
کرد نورِ نبیؐ زغیب حضور
ہر چہ ہست از ولایت است ظہور!

-"المنجد جدید" شائع کردہ دارالاشاعت کراچی۔

ایضاً

چونکه از ذاتِ خویش قطعهٔ نور
حق جدا کرد بهر کل امور!!
آں ولایت شده زغیبِ حضور!!!!
ہرچه ہست از ولایت است ظہور!!!

واضح ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، وہی روایت فرمایا کرتے تھے، جو مہدیٔ موعود علیہ السلام سے انہوں نے سنی اور سمجھی ہو۔ ایسی ہی احتیاط تابعین، تبع تابعین اور سلفِ صالحین میں بہ تعلقِ سلسلۂ ارشاد، علی التسلسل باقی رہی۔ اس لیے ولایتِ مصطفیٰؐ کے بارے میں جو حوالہ، حضرت بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ کی روایت کا حضرت شاہِ قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے دیا ہے، یقیناً حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام سے سنی ہوئی بات آپؓ نے بیان فرمائی تھی۔ ایسے ہی تعلیماتِ مستندہ کی روشنی میں جلیل القدر تابعی حضرت خواجہ طٰہٰ مہری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مجتہدِ ملت رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تصریحات فرمائی ہیں۔
مختصر یہ کہ ان چند حوالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ "روحِ محمدؐی"، "ولایتِ محمدؐیہ" کی اصطلاح کے باب میں اکابرِ صوفیہ و اولیاء رحمہم اللہ علیہم کی تالیفات و ملفوظات میں جیسی تصریحات پائی جاتی ہیں ایسی ہی تصریحات، اکابرِ سلفِ صالحینِ مہدویہ میں بھی موجود ہیں۔
اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ "ہدیۂ مہدویہ" میں ایسا بے بنیاد الزام عاید کیا گیا جس کا صوفیہ اور اولیائے کرام پر بھی عاید ہونا لازم آتا ہے۔!!
حاصلِ کلام یہ کہ "ولایتِ محمدؐیہ" فی الحقیقت "ولایت اللہ" ہے۔ اس لیے یہ کائنات سے نہیں۔ بلکہ باعثِ خلقتِ کائنات ہے۔ خلقتِ کائنات میں خود محمدؐ رسول اللہ و مہدیٔ مراد اللہ علیہما اسلام کی ولادتِ مبارکہ بھی ہے۔ جن کی پیدائش والدین سے ہوئی اور خود صاحبِ اولاد ہوئے۔ لیکن یہ ہستیاں ایسی اکمل ترینِ مخلوق ہیں کہ جن کی مثال انسان کی ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پائی جانی محال ہے۔
کیوں کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور خاتم ولایتِ محمدؐیہ حضرت مہدیٔ موعود مجتبیٰ ﷺ، "عشقِ حقیقی" کے مظہر اتم، ناظرانِ تجلیِ ذات، اور مسلمانانِ تام ہیں جن کو فَنَا فِی الذَّاتْ حاصل تھی۔

اس لیے بظاہر انسانوں جیسے ہونے کے باوجود، کسی (انسان نے اُن مافوق الفطرت انسانوں کا سایہ کبھی نہ دیکھا۔!!! لہٰذا آپؐ کے خاتم الانبیاء اور مہدیٔ موعود علیہ السلام کے خاتم الاولیاء ہونے کو عام یا خاص الخاص انسانوں کی طرح آپؐ کے ذاتی کسب و کاوش کا نتیجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔!!!!
اس مختصر بحث سے اس نکتہ کی تفہیم بھی آسان ہو گئی کہ حضرت محمد ﷺ "عشقِ حقیقی" کے مظہر اتم ہیں۔ اِسی لیے آپؐ پر نازل شدہ قرآنِ شریف میں عشق و محبتِ الٰہی کی تعلیم کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ خود آپؐ کو اس دنیا میں "فنائے ذات و صفات" کی انتہائی منازل سے مشرف کیا گیا: "علمِ سکوتی" اور "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ" کا حامل بنایا گیا۔

سیدِ کل صاحبِ ام الکتاب

پرد گی ہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید
"رَبِّ زِدْنِیْ" از زبانِ اُو چکید (اقبالؔ)

یہ مقام بجز خاتم الاولیاء کے کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بھی "مظہرِ عشقِ حقیقی"، "داعی الی البصیرۃ ولقاء الرب" ہیں۔ فی الحقیقت مسلمانِ تام وہی ہو سکتا ہے، جو "فنائے تام" اور دیدارِ انوارِ تجلیاتِ ذاتی سے مشرف ہو۔ اسی لیے یہ دونوں ہستیاں اصالتاً مسلمانِ تام ہیں۔

نبوت ورسالت کے منصب اور تنزیلِ کتاب کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ کی بعثت "خاتم الانبیاء" کی حیثیت سے ہوئی۔ اور صاحبِ بیانِ کتاب کے اعتبار سے یعنے "تَبْیِیْنِ تَعْلِیْمِ اِحْسَانْ" کی جہت سے مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت، "خاتم الاولیاء" کی حیثیت سے ہوئی۔

یہاں "ختم" کے معنی "کمال" کے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے حضرت عیسٰی علیہ السلام تک جو دین بھیجا گیا، وہ حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ کمال کو پہنچا دیا گیا، قرآنِ مجید دینِ کامل ہے۔ اس کے بعد پھر کسی کتاب کے نازل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ معاش ومعاد کی مکمل تعلیم اُس میں موجود ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اصل دین، عشق ومحبتِ الٰہی، عرفان اور وصال الی المطلوب یعنے لقائے رب سے مشرف ہونے کی تعلیم بھی قرآنِ مجید میں "بدرجۂ کمال" موجود ہے۔ اس بنیادی تعلیم کی تکمیل کے بغیر، کمالِ دین کا اطلاق ممکن نہیں تھا۔ اس بات کی تصریح، اس حدیثِ شریف سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے ایک طویل روایت، کتبِ احادیثِ مستندہ میں مذکور اور علمائے کرام میں مشہور ہے۔ اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا، ہم رسول اللہ ﷺ کے حضور میں تھے کہ ایک شخص آیا جس کا لباس بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے۔ سفر کے آثار اس میں نظر نہیں آرہے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کو نہیں جانتا تھا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپؐ کے زانوئے مبارک سے قریب دوزانو بیٹھ گیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے زانوئے مبارک پر رکھ دیئے۔ کہا مجھے اسلام سے واقف کیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ رمضان کے روزے رکھیں اور استطاعت ہو تو حجِ بیت اللہ کریں۔ اس شخص نے کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ ہمیں تعجب ہوا کہ خود ہی سوال بھی کرتا ہے اور خود ہی تصدیق بھی۔ پھر سوال کیا، مجھے ایمان سے واقف کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پر، اور اُس کے فرشتوں پر اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، قیامت کے روز پر، تقدیر، خیر وشر پر، ایمان لائے۔ اُس نے کہا، آپؐ نے سچ فرمایا۔ پھر سوال کیا کہ احسان سے واقف فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا (احسان) یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اُس کو نہ دیکھ سکے تو (اتنا یقین ضرور رکھے کہ) اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔

اُس شخص کے چلے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں دیر تک ٹھیرا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ! تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جبرئیلؑ تھے تمہارے پاس اِس لیے آئے تھے کہ تمہارا دین تمہیں سکھلا دیں۔"

بعض روایتوں میں پہلے ایمان اور بعد میں اسلام، احسان کا بیان ہوا ہے۔ غرض دین کی تین خصوصیات "ایمان"، "اسلام"، "احسان" ہیں جن کے

پڑھوانا کی تکمیل سے دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ چونکہ امتِ محمدؐیہ کا طویل عرصۂ حیات ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بلحاظِ بعدِ زمانہ، بغرضِ ہدایت، مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کی بعثت بھی وسطِ امت و آخرِ امت میں مقدر فرمائی۔ یہ انتظام منجانب اللہ، تکمیلِ دین ہی کے تحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (سورۃ المائدہ۔3)

ترجمہ:- آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل بنادیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔

اس آئیہ شریفہ کی تشریح اس سے قبل کی گئی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی عمرِ مبارک کے آخری حصہ میں حجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ جس کو آپؐ نے خطبۂ حجتہ الوداع میں سنایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین کی ان تینوں خصوصیات کی تعلیم، قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریاتِ انسانی کی رہبری، قیامت کے وقوع اور ثواب و عذاب وغیرہ تمام دینی امور کے بیان کے بعد اس آئیہ شریفہ کا نزول ہوا ہے۔ نیز قرآنِ مجید میں ایک ایسے شخص کا اور اُس کی خصوصیات کا بیان بھی اشارۃً ہوچکا ہے، جس کی بعثت، امتِ محمد ﷺ میں ہوگی۔ یہ سب اُمور تکمیلِ دین ہی سے متعلق ہیں۔ اسی لیے مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت کے بارے حضرت رسول اللہ ﷺ نے تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ اور تاکید کی ہے کہ جب مہدیٔ موعودؑ کی بعثت ہو تو اس کی بیعت و تصدیق، اہلِ زمانہ پر فرض ہوگی۔

علمائے اکابر اہلِ سنت نے بھی اسی لیے بعثتِ مہدیٔ موعودؑ کو ضروریاتِ دین سے تسلیم کیا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمتہ اللہ علیہ نے شرح مقاصد میں لکھا ہے۔:-

"فذهب العلماء الٰى انه امام عادل من ولد فاطمه يخلقه الله متٰى شاء ويبعثه نصرة لدينه۔"

(شرحِ مقاصد جلد ثانی)

ترجمہ:- پس علماء کا اتفاق، اس بات پر ہے کہ مہدیؑ، امامِ عادل اور اولادِ فاطمہؓ سے ہونگے۔ اللہ جب چاہے گا انہیں پیدا کرے گا اور اپنے دین کی نصرت کے لیے مبعوث فرمائے گا۔

قرآنِ مجید کی جن آیات میں اشارات پائے جاتے ہیں اُن میں سے ایک آئیہ شریفہ درج کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿19﴾ (سورۃ القیٰمۃ)

ترجمہ:- پھر بے شک ہم پر اُس کا (یعنے قرآن کا) بیان ہے۔

یہاں "ثُمَّ" حرفِ عطف واقع ہوا ہے۔ اس سے تراخی مراد ہے۔ حرفِ عطف "و" اور "ثُمَّ" میں فرق یہ ہے کہ "و" کی صورت میں معطوف علیہ اور معطوف علیہ پر ایک ساتھ حکم عاید ہوتا ہے۔ اور "ثم" کی صورت میں کچھ نہ کچھ عرصہ گزرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً "اَكَلَ خَالِدٌ وَ زَيْدٌ" (خالد اور زید نے کھایا) اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خالد اور زید دونوں نے ایک ہی وقت میں کھایا۔

اب "ثم" کی مثال پر غور کیا جائے۔ "اَكَلَ خَالِدٌ ثُمَّ زَيْدٌ" (خالد نے کھایا پھر زید نے) اس جملہ کا صاف مفہوم یہی ہے کہ زید نے خالد کے بعد کھایا۔ یعنے زید نے خالد کے بعد دیر سے کھایا۔ اس دیر کا عرصہ کم سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ زاید سے زاید بھی بطورِ مثال ایک آئیہ شریفہ پیش کی جاتی ہے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿12﴾ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿13﴾ ص ثُمَّ خَلَقْنَا

النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿14﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿15﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿16﴾ (سورۃ المؤمنون۔ 12-16)

ترجمہ:- ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا پھر ہم نے اُسی کو نطفہ بنا کر محفوظ جگہ (ماں کے رحم) میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم ہی نے لوتھڑے کو مضغہ بنایا پھر ہم نے مضغہ کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہی ہڈیوں پر گوشت مڑھا۔ پھر ہم ہی نے اُس کو دوسری ہی مخلوق (انسان) بنادیا۔ پس اللہ بڑی برکت والا اور بہترین خالق ہے۔ پھر تم اُس کے بعد مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

اس آئیہ شریفہ میں " ثُمَّ " کی دیری کے کئی موقعے بیان ہوئے ہیں۔ قبل پیدائش کے آغاز سے موت تک اور موت کے بعد سے قیامت میں دوبارہ اٹھائے جانے تک، جو جو عرصہ گزرتا ہے، سب پر " ثُمَّ " کا اطلاق ہو رہا ہے۔ اور وہ عرصہ کم بھی ہے زیادہ بھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ " ثُمَّ " مطلق تراخی کے لیے ہے۔ خواہ یہ تراخی کم سے کم ہو یا زیادہ سے زیادہ۔ اس کی مثال میں اور کئی آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔ بنظرِ اختصار مذکورۃ الصدر آئیہ کریمہ پر اکتفا کیا گیا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے۔

" ان ظاھر الآیۃ یقتضی وجوب تاخیر البیان عن وقت الخطاب "

ترجمہ:- یعنے ظاہر آیت، وقتِ خطاب سے بیان کی تاخیر کے وجوب کا مقتضی ہے۔

اسی طرح " ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ " میں بیان کا عرصہ، تاخیر بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء پر منحصر ہو سکتا ہے۔!!!

اس آئیہ شریفہ کا اس کے ما قبل مضمون سے ربط یہ ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے قرآن پڑھتے تو آنحضرت ﷺ بھی اُن کے ساتھ جلدی جلدی پڑھنے لگتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ اس پر یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿16﴾ ط اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿17﴾ ج فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿18﴾ ج ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿19﴾ ط (سورۃ القیٰمۃ)

ترجمہ:- یعنے تم اُن کے ساتھ ہی زبان کو حرکت نہ دو۔ اور یاد کرنے میں جلدی نہ کرو۔ بے شک اس قرآن کو (تمہارے دل میں) جمع کر دینا اور اُس کو (تمہاری زبان سے) پڑھوانا، ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم اِس کو (جبرئیل کی زبانی) پڑھیں تو تم اُن کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ پھر بے شک ہمارے ہی ذمہ اِس (قرآن) کا بیان ہے۔

اس آئیہ کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہے کہ محمد ﷺ کا جلدی جلدی پڑھنا، حفظِ قرآن کے لیے تھا۔ بیانِ قرآن کے لیے نہیں تھا۔ یاد کرنے، جمع کرنے اور پھر لوگوں کو پڑھ کر سنانے کی ضرورت، آپؐ کی عجلت کا سبب تھی۔

اس آئیہ کریمہ کے پہلے حصہ سے اس ضرورت کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آئیہ کریمہ کا دوسرا حصہ " ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ " واقع ہوا ہے۔ یہ بیانِ قرآن حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ بھی ہوا۔ اس کی روشنی میں آپؐ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے ذریعہ بھی ہوا۔ اور علمائے ظاہر و باطن سے بھی ہوا۔

اسی طرح مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی منجانب اللہ بیانِ قرآن ہوا۔ آپؑ تاحیاتِ طیبہ روزانہ بیانِ قرآنِ مجید فرماتے رہے اس کی روشنی میں آپؑ کے صحابہؓ، تابعین وتبع تابعین وسلفِ صالحین سے بھی بیانِ قرآن ہوتا رہا۔ اسی لیے مہدویہ دائروں میں روزانہ بیانِ قرآن ہوا کرتا تھا جب سے یہ چھوٹا ہے، علم و عمل کا "انحطاط" بڑھتا گیا، بڑھتا ہی جارہا ہے۔

لیکن خاتم الانبیاء اور ختم الاولیاء معصوم عن الخطا ہیں اس لیے منجانب اللہ بیانِ قرآن کا ظہور، حسبِ آئیہ کریمہ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" انہی معصوم ہستیوں سے ہو سکتا ہے۔

انجیل کی آیت سے بھی مہدیٔ موعود علیہ السلام کا صاحبِ بیانِ قرآن ہونا، ظاہر ہوتا ہے۔

نَحْنُ نَاتِيْكُمْ بِالتَّنْزِيْل وَ اِمَا التَاوِيْل فِيَأْتِيْكُمْ بِهٖ الْفَارِقَلِيْطْ

ہم (انبیاء تمہارے پاس تنزیل (کتاب) لاتے ہیں اور لیکن تاویل (بیان) تمہارے پاس فارقلیط لائے گا۔

"فارقلیط" سے حضرت محمد ﷺ مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ آپؐ، صاحبِ کتاب ہیں، "نَحْنُ نَاتِيْكُمْ بِالتَّنْزِيْل" میں تمام صاحبِ کتاب انبیاء داخل ہیں۔ اس کے بعد "فارقلیط" کا ذکر خاص طور پر ہوا ہے۔ اور تاویل یعنے "بیان" کی خصوصیت اُس کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ رسول اور صاحبِ کتاب ہیں، اس لیے "فارقلیط" سے آپؐ کی ذات مراد نہیں ہوسکتی۔ دراصل یہ اشارہ اس ہستی کی جانب ہے جو رسالت کی مدعی اور صاحبِ کتاب نہیں ہوگی۔ لیکن بہ حیثیتِ خلیفۃ اللہ، منجانب اللہ بیانِ کلام اللہ کی حامل ہوگی۔ لہٰذا "فارقلیط" سے مراد مہدیٔ موعود علیہ السلام ہیں۔

اکابرِ محققینِ اہلِ سنت بھی اس کے قایل ہیں۔ چنانچہ "تفسیرِ تاویلات" میں "لَارَيْبَ فِيْه" کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قال عیسٰی علیه السلام نحن ناتیکم بالتنزیل و اماالتاویل فیا تی به المهدی فی آخر الزمان

ترجمہ:- یعنے عیسٰی علیہ السلام نے کہا کہ ہم تمہارے پاس تنزیل لاتے ہیں اور تاویل آخر زمانہ میں مہدیؑ لائیں گے۔

شیخ مقتول، حکیم شہاب الدین اشراقی نے "ہیاکل النور" میں لکھا ہے۔

فالتنزل موکول الی الانبیاءوالتاویل والبیان موکول الی المظهرالاعظم الانوری الاروحی الفارقلیط---
قذاشیرنی المصحف حیث قال ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ وَثُمَّ لَکَ تَرَاخِی ۔

ترجمہ:- پس "تنزیل"، انبیاء سے متعلق ہے اور تاویل بیان، زیادہ نورانی وروحانی، مظہر اعظم یعنے فارقلیط سے متعلق ہے۔ قرآن میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو اللہ نے فرمایا "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" "وَ ثُمَّ لَكَ" تراخی کے لیے ہے۔

اسی کتاب کے حاشیہ میں "مظہر الاعظم" کی شرح یہ لکھی ہے۔

قوله الی المظهر الاعظم الا نوری الخ یقال انه المهدی علیه السلام

ترجمہ:- صاحبِ "ہیاکل النور" کا قول یعنے مظہر اعظم زیادہ نورانی--- الخ جو ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ مہدی علیہ السلام ہیں۔

جلال الدین دوانی نے شرح "ہیاکل النور" میں "فارقلیط" کی شرح یہ لکھی ہے۔

لفظ عبرانی و معناه الفارق بین الحق و الباطل و المراد به مظهر الولایة هی باطن النبوة

ترجمہ:- "فارقلیط" عبرانی لفظ ہے۔ اس کے معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہیں۔ اور اس سے مراد ولایت کا مظہر ہے جو باطنِ نبوت ہے۔

اِن مختصر شواہد سے ظاہر ہے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام، صاحب بیانِ قرآن ہیں۔ اور " ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ " میں بیان سے مراد اس

"بیان الاحسان بلسان المهدی علیه السلام" ہے۔

کے یہ معنی "نَعُوۡذُ بِاللّٰہ، حَاشَا وَ کَلَّا" ہر گز نہیں ہو سکتے کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہیں تھا۔ یہ بات ہر مؤمن کے لیے داخلِ ایمان ہونا لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی علم الاحسان بدرجۂ اتم تھا۔ جس پر معراج میں دیدارِ ذاتی کا ہونا، حدیث احسان جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد "لی مع الله وقتٌ" شاہد ہے۔ آپؐ نے دوسروں کو بھی حسبِ استعداد علم الاحسان سے فیضیاب فرمایا ہے۔

اسی لیے "تفسیرِ معالم التنزیل" میں آیتِ قرآنِ مجید "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ" (سورۃ المآئدۃ۔105) کی تفسیر میں لکھا ہے:-

ان القرآن منزل منه ای قضٰی تاویلهن قبل ان ینزلن و منه ای وقع تاویلهن علٰی عهد رسول الله ومنه ای وقع تاویلهن بعد رسول الله و منه ای یقع تاویلهن فی آخر الزمان۔

ترجمہ:- یعنے قرآن نازل ہوا اور بعض تاویلیں اس کے پہلے گزر چکیں اور بعض کی تاویل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوئیں اور بعض کی تاویلیں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوئیں اور بعض کی تاویلیں آخر زمانہ میں ہو نگی۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کی تاویلوں (یہاں تاویل سے مراد بیانِ قرآن ہے) کا جو ذکر آیا ہے اس سے مراد "ظنی" تاویلات ہیں۔ "قطعی" تاویل خلیفۃ اللہ ہی سے ہو سکتی ہے۔ مہدیٔ موعود علیہ السلام، "خلیفۃ اللہ" ہیں اس لیے آپؐ کے ذریعہ جو تاویل یعنے بیانِ قرآن ہو گا وہ بے خطا ہو گا۔

واضح ہو کہ آئیہ کریمہ "وَ مَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ آل عمران۔7)" (اللہ کے سوائے قرآن کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے) میں بھی "تاویل" سے مراد منجانب اللہ بیانِ قرآن ہے۔ چونکہ اللہ کا خلیفہ، اللہ کی تعلیم سے بیانِ قرآن کرتا ہے۔ اس لیے بے خطا، قطعی اور "واجب الاذعان والایمان" ہوتا ہے۔ مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی ضرورت اسی لیے ہے کہ حسبِ آئیہ کریمہ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ" آپؐ کا بیانِ قرآن "علم الاحسان" سے متعلق ہو گا۔ اور آپؐ "عشق و محبتِ الٰہی" کی تعلیمِ قرآن کو منجانب الله علی سبیل الدعوة از سرِ نو تازہ فرمائیں گے۔

اس بحث سے ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی مشارٌ الیہ شخصیت کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے "مہدی" کے لقب سے متعارف فرمایا اور آپؐ کی بعثت کے بارے میں تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ بلکہ مہدیٔ موعودؑ کی جماعت کی خصوصیات سے بھی اپنی اُمت کو آگاہی بخشی ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں اس جماعت کے فضائل سے متعلق اشارات و خصوصیات بھی بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آئیہ شریفہ، اس سے قبل بھی مختصر تصریح کے ساتھ درج کی گئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَ يُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۚ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿54﴾ (سورۃ المآئدۃ)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم میں سے جب دین سے مرتد ہونے لگو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرینگے۔ اور وہ مؤمنین کے مقابلہ میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب رہیں گے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے۔ اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ واسع و علیم ہے۔

اس کے ہم معنی اور بھی آیاتِ کریمہ پائی جاتی ہیں۔ اس آئیہ کریمہ سے مہدیٔ موعودؑ اور آپؑ کی قوم (یعنے اولین مصداق، جماعتِ صحابہؓ) کی شان عیاں ہو رہی ہے۔ اور یہ بھی متبادر ہے کہ مہدیٔ موعودؑ عشق و محبتِ الٰہی کی اعلیٰ تعلیم سے مشرف فرمائیں گے۔ جس کی وجہ سے آپؑ کی جماعت، اعلیٰ مقامات و مراتب کی حامل ہو گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ:-

قال رسول اللہ ﷺ انی لاعرف قوماھم بمنزلتی فقال الاصحاب کیف یکون یا رسول اللہِ انت خاتم النبیین ولا نبی بعدک فقال سوا من الانبیاء و لکن یغبطھم الانبیاء بقرتھم و مقعدھم من اللہ و ھم المتحابون فی اللہ۔

(تفسیر کبیر جلد ثانی)

ترجمہ:- فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں ایسی قوم کو جانتا ہوں جو میری منزل میں ہے۔ اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا کیونکر ہو سکے گا جب کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہونگے لیکن اللہ سے اُن کے قرب اور مقامِ قرب کی وجہ سے انبیاء اُن پر رشک کرینگے۔ اور وہ سب اللہ سے محبت رکھنے والے ہونگے۔

اس حدیثِ شریف میں "بِمَنْزِلَتِیْ" (میری منزل میں ہے) مذکور ہے۔ اس سے اس قوم کا رسول اللہ ﷺ کے ہم مرتبہ ہونا، لازم نہیں آتا۔ لفظ "منزل"، صوفیہ کرام میں بھی متعارف اور متداول ہے۔ بعض اولیاء کو بعض انبیاء کا یا بعض بزرگوں کو دوسرے بزرگوں کا مقام حاصل ہونے کا ذکر مقصود ہو، یعنے جو ظہور یا فیضان، اُس نبی میں تھا وہی ظہور یا فیضان اُس ولی یا بزرگ میں پایا جانے کا بیان کرنا ہو تو مقام، قایم مقام۔ شان، منزل۔۔۔ بر قلب وغیرہ الفاظ سے یہ مفہوم ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:-

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" (میری امت کے علماءِ بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں) اِس کا بھی وہی مطلب ہے کیونکہ اِن مراتب و مقامات کا تعلق سیر انبیاء سے اور سیر نبوت و سیر ولایتِ محمدؐیہ سے ہے۔

غرض اس حدیثِ شریف میں اُسی قوم کا ذکر ہے جس کا آئیہ کریمہ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اس حدیثِ شریف کی تائید نہ صرف مذکورۃ الصدر آئیہ کریمہ سے ہو رہی ہے بلکہ دوسری احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں اِسی نوع کی تصریحات پائی جاتی ہیں۔ یہ تصریحات، قرآن ہی کی تفسیر ہیں جن سے تفسیر القرآن بالحدیث کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مذکورۃ الصدر آئیہ کریمہ میں قومِ مہدیٔ موعودؑ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں، اُن کی بالتطبیق تفصیلات کے لیے مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ یہاں بالاختصار بیان مقصود ہے تاکہ ان صفات کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

1- یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ (اللہ اس قوم سے محبت کرے گا، وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی) اس آئیہ شریفہ میں اہم نکتہ یہ ہے کہ یُحِبُّھُمْ پہلے ہے۔ اس سے اس قوم کی شانِ عظمت اور علو مرتبت، اظہر من الشمس ہے۔

2- اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (مومنین کے مقابلہ میں نرم اور کافروں کے مقابلہ میں غالب رہیں گے۔ حضرت رسول اللہ

ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ایسی ہی شان، بیان فرمائی گئی۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ وَ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (آپس میں رحم دل اور کفار کے مقابلہ میں شدید ہونگے)

واضح ہو کہ غلبہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ظالمانہ قوت کی مدافعت، قوت سے کی جائے۔ جیسا کہ دورِ نبوت میں جہاد بالسیف کے واقعات ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ اگر قوت سے مدافعت ممکن نہیں ہے تو استقامت سے حفاظتِ ایمان میں غلبہ حاصل کیا جائے۔ اگر دشمنِ دین، ظلم و جبر کر رہا ہو کہ ایمان سے باز آجائیں، مرتد ہو جائیں، اور قوت سے مدافعت کے اسباب حاصل نہیں ہیں

تو مومن کو چاہیے کہ ہر طرح کے ظلم و تشدد اور ہر قسم کی اذیت کو برداشت کر لے۔ استقامت فی الایمان میں ذرا سی بھی کمی یا لغزش نہ ہونے دے۔ حتٰی کہ جان دے دے۔ لیکن ایمان کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ ایمان کی حفاظت اور استقامت سے متزلزل کرنے میں دشمنِ دین کو ناکام کر دینا بھی ظالم کے مقابلہ میں مومن کا عظیم غلبہ ہے۔!!!! ایسی بہت سی مثالیں دورِ نبوت اور دورِ ولایت میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت علامہ شیخ مصطفٰی گجراتی رحمتہ اللہ علیہ پر حکومت کی رعونت کے تحت، شدید سے شدید مظالم ڈھائے گئے، بے رحمانہ اذیتیں پہنچائی گیئں، ہر طرح سے مجبور کیا گیا کہ آپ مذہبِ مہدویہ سے تائب ہو جائیں۔ ارتداد کا اعلان کر دیں۔ لیکن آپ یہی فرماتے رہے:-

تل سر اوپر مارے گھن ☆☆☆ ارّے سیتی چیرے تن

تب بھی نکلے یا ہی سخن ☆☆☆ مہدیؑ آن گذشت کیا !!!

یعنے سر پر گھن سے مارو، جسم کو آرے سے چیرو، تب بھی زبان سے یہی بات نکلے گی کہ مہدیٔ موعودؑ آئے اور گئے۔!!! آپؒ کے والدِ ماجد حضرت علامہ بندگی میاں عبدالرشید رضی اللہ عنہٗ نے بھی حفاظتِ ایمان میں غالب رہنے کے لیے اپنی داڑھی، خون میں رنگی جانا گوارا کیا، شہید ہو گئے۔ لیکن دشمنانِ دین کے ظالمانہ مطالبۂ ارتدادِ مذہبِ مہدویہ کو ناکام بنا کر اپنی جان، اپنے خالق کے نذر کر دی۔!!! ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ تاریخِ مہدویہ میں ایسے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔

3۔ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرینگے)۔

4- لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔

قومِ مہدیہ کی کتبِ سیر کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ سب صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں، بلکہ غیر مہدوی مورخین و تذکرہ نویسوں کی اکثر کتابوں میں بھی اس کی شہادتیں پائی جاتی ہیں۔

غرض یہ کہ امامنا حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی قوم میں يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ کے راستے میں جہاد کرینگے۔) کی خصوصیت بھی بدرجۂ کمال موجود تھی۔

جہاد فی الاسلام اور اُس کی خصوصیات بھی دینِ اسلام کے بنیادی اہم مسائل میں شامل ہیں۔ اُن کی بالتفصیل توضیحات کے لیے مستقل اور ضخیم تالیف کی ضرورت ہے۔ یہاں مختصراً "جہاد" کی بعض خصوصیات کا بیان ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں امامنا علیہ السلام کی تعلیماتِ مذہبِ اسلام کی اہم خصوصیت واضح ہو سکے۔ جس کے لیے آپؑ کی بعثت، اللہ تعالٰی نے مقدر فرمائی ہے۔

اولاً اس حقیقت کو سمجھنا اور دلنشین کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی شان میں اللہ تعالٰی نے بنیادی اور اہم خصوصیت یہ ارشاد

فرمائی ہے۔

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ ﴿107﴾ (سورۃ الانبیاء)

ترجمہ:-اور ہم نے آپؐ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس لیے آپؐ کا وجودِ مبارک، دنیا کے کسی فرد کے لیے بھی باعثِ زحمت نہیں ہو سکتا۔ کرۂ ارض کے علاوہ کائنات کے ہر عالم کے لیے بھی آپؐ کا وجودِ مبارک رحمت ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کرۂ ارض کے علاوہ کروڑہا اجرامِ فلکی، سیارے اور ثوابت، کائنات میں موجود ہیں جن کی تعداد کا تعین، انسان کی طاقت سے ممکن نہیں ہے۔ اور جن میں سے بعض پر حیات کے آثار پائے جانے کا ماہرینِ فلکیات اور سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان میں " رَبُّ الۡمَشَارِقِ وَ الۡمَغَارِبِ " فرمایا ہے۔ کیونکہ کرۂ ارض کے علاوہ کائنات کے جس کرہ میں آفتاب، طلوع و غروب ہوتا ہو، اُس کے لیے بھی مشرق و مغرب کا اطلاق درست ہو گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشارق و مغارب جمع کے لفظ ارشاد فرمائے ہیں کیونکہ اللہ اُن سب کا رب ہے۔ اسی لیے " اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ " بھی فرمایا ہے۔ صرف "رَبُّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ" یا "رَبُّ عَالَمِ الۡاَرۡضِ" نہیں فرمایا بلکہ " رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ " فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی شانِ ربوبیت کے بارے میں "عَالَمِيۡنَ" کا جامع لفظ ارشاد فرمایا ہے، جس میں کائنات کے وہ تمام عالم بھی شامل ہیں جن کا علم ہم کو نہیں ہے۔ اِسی طرح خاتم الانبیاء ﷺ کی شانِ رحمت کے لیے بھی "عَالَمِيۡنَ" کا جامع لفظ ارشاد فرمایا ہے۔

غرض یہ کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے شمائل و خصائل اور آپؐ کے فضائل میں "رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ" کی خصوصیت، بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

جن لوگوں نے مسائلِ جہاد کو سمجھنے میں آپؐ کے اس اہم وصف کی روشنی سے استفادہ نہیں کیا، وہ لوگ "جہاد" کو ایسی شکل و صورت میں پیش کرنے کے مرتکب ہوئے، اور بعض مسلم بادشاہ، حکام اور بعض مسلم عوام سے خلافِ احکامِ شرع ایسے جارحانہ افعال سرزد ہوئے کہ غیر مسلم اہلِ علم و تنقید کو یہ الزام عاید کرنے کا موقع مل گیا کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔"

خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ صرف ملکِ عرب میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک و مذاہب و مسالک میں انسان کی جان کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا تھا۔ انفرادی و اجتماعی، ہر حیثیت سے انسانوں کا خون، بے دریغ بہایا جاتا تھا۔ دردناک سزائیں دی جاتی تھیں اور انسانی جانوں کی وحشیانہ قربانیاں دی جاتی تھیں۔ جنگ و جدال، بربریت، ظلم و استبداد اور قزاقی کے لرزہ براندام کر دینے والے ہزاروں واقعات سے تاریخِ عالم کے اوراق رنگین ہیں۔

صرف مذہبِ اسلام ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُس نے انسان کی جان کے احترام کا درس دیا۔ اس کے بعد بھی لوگ اسلام کی اس اعلیٰ تعلیم سے بے بہرہ رہے اور رہیں گے، اُن سے انفرادی یا اجتماعی، ہر حیثیت میں ظلم و بربریت کا ظہور ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ خود مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو سکتا ہے، جب کہ وہ تعلیمِ اسلام سے بے بہرہ ہو جائیں۔ اسی لیے یہ کہنا، بے جا نہ ہو گا کہ مسلمانوں کا ذاتی عمل، اسلام نہیں ہے، اسلام تو وہی ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہو اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل شاہد ہو۔

انسان کی جان کے احترام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

(1) مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ (سورۃ المائدہ۔32)

ترجمہ:-اِسی لیے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے لکھدیا ہے کہ جو کوئی کسی کی جان لے، بغیر اس کے کہ اُس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین میں فساد کیا ہو، تو گویا اُس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جس کسی نے کسی کی جان کو بچایا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچایا۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے:-

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ ذٰلِكُمۡ وَصّٰىكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿151﴾ (سورۃ الانعام)

ترجمہ:-اے محمد! کہو کہ آؤ! میں تم کو پڑھ سناؤں کہ تمہارے اللہ نے تم پر کیا کیا حرام کیا ہے (تم پر واجب ہے) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین سے نیک سلوک کرو۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے باعث قتل نہ کرو۔ ہم تم کو رزق دیتے ہیں۔ اور اُن کو بھی (دینگے) بدکاریوں کے قریب نہ ہوں۔ خواہ وہ کھلی بدکاریاں ہوں یا چھپی ہوئی۔ اور اُس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے۔ مگر حق کے سبب سے۔ اللہ نے ان باتوں کی تمہیں تاکید کی ہے، شاید کہ تم سمجھو۔

پہلی آیت میں "بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ" (کسی کو قتل کرنے یا فساد برپا کرنے کے بغیر) اور دوسری آیت میں "اِلَّا بِالۡحَـقِّ" (مگر حق کے سبب) جو ارشاد ہوا ہے، اس میں دَفعِ ظلم کے لیے جوازِ قتل کا پہلو، بھی موجود ہے۔ ورنہ لا قانونیت اور وحشیانہ افعال کی آزادی ہو جائے گی، جو اقتضائے عدل اور مدنی زندگی کے اُصول کے صریح منافی ہے۔ اسی لیے ہر کام، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کے تابع ہونا ضروری ہے۔

اس سے قبل حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بیان کیا جا چکا ہے۔

بے حکمِ شرع ، آب خوردن خطا ست ☆☆☆ وگر خوں ، بفتوٰی بریزی روا ست

یعنے شرع کے حکم کے بغیر پانی پینا بھی، خطا ہے۔ اگر شرعی فتویٰ کے تحت کسی کا خون کیا جائے تو روا ہے۔!!

اللہ تعالیٰ نے "قتلِ خطا" اور "قتلِ عمد"، دونوں کے احکام بھی قرآنِ مجید میں بیان فرما دیئے ہیں۔ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ارتکابِ قتل ہو جائے اور مقتول، مؤمن ہو یا کافر و مشرک دونوں صورتوں میں خونبہا، ادا کرنے کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اگر قاتل مفلس ہو، خونبہا، ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل دو مہینے یعنے ساٹھ (60) روزے رکھنا ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ ۙ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿92﴾ (سورۃ النساء)

ترجمہ:-یعنے جس (قاتلِ خطا) کے لیے خونبہا کی پابجائی ممکن نہ ہو تو دو مہینے پے درپے روزے رکھے (یہ) اللہ کی طرف سے توبہ ورجوع ہے۔ اللہ جاننے والا حکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے كَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا بھی فرمایا ہے تاکہ ان احکام کا اتباع، دل کی پاکی، اللہ کے خوف اور تقویٰ سے کیا جائے۔

اسی طرح قتلِ عمد، کی سزاء کے بھی احکام ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط (سورۃ البقرہ۔178)

ترجمہ:-اے ایمان والو! قتلِ عمد کی صورت میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قصاص کے احکام و شرائط بھی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ نیز "قتلِ عمد" کی صورت میں اگر کسی وجہ سے قصاص نہ ہونے پائے تو قاتل کے لیے آخرت کی سزاء سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ جس طرح کافر و مشرک کے لیے کفر و شرک کی سزاء دائمی جہنم ہے۔ اسی طرح قتلِ عمد کی سزاء بھی عند اللہ، آخرت میں دائمی جہنم اور عذابِ عظیم قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾ (سورۃ النساء)

ترجمہ:-اور جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے گا، اُس کا بدلہ جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ اُس پر غضبناک ہو گا اور اُس کو رحمت سے دور کر دے گا۔ اور اُس کے لیے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کے احترام اور قتلِ ناحق کے بارے میں کیسے تاکیدی احکام بیان فرمائے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب اور اللہ کی ناخوشی سے کس قدر واضح طور پر آگاہ فرمایا ہے۔

اس مضمون کی احادیثِ شریفہ بھی ہیں۔

حضرت ابنِ عمرؓ روایت کرتے ہیں:-

لَنْ يَتَنَزَّلَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِّنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا

ترجمہ:-یعنے مومن، اپنے دین کی وسعت میں اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ ایسا خون نہیں بہاتا، جو حرام ہے۔

نسائی کی حدیثِ شریف ہے:-

اَوَّلُ مَا يُحَاسِبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلٰوةُ وَ اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ

ترجمہ:-یعنے قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اور سب سے پہلے جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔

محدیثین نے اس حدیثِ شریف کو "متواتر" تسلیم کیا ہے۔ متواتر کی شان یہ ہے کہ اس کے انکار پر کفر کا فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس حدیثِ متواتر سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح نماز کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح خونِ ناحق سے بچنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے، اللہ تعالیٰ نماز نہ پڑھنے اور قتلِ ناحق کے بارے میں حساب لے گا۔ اور فیصلہ فرمائے گا۔!!!

نیز آدابِ تبلیغِ اسلام کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے مذاہب کے باطل معبودوں کی ظالمانہ و جاہلانہ توہین سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (سورۃ الانعام۔108)

ترجمہ:- اور مت گالی دو اُن کو جن کی اللہ کے سوائے یہ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ پس وہ بے علمی کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

حتیٰ کہ دیگر مذاہب و معابد (یعنے عبادت گاہوں) پر ظالمانہ دست درازی سے باز رہنے کی ہدایت بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط (سورۃ الحج۔ 40)

ترجمہ:- اگر اللہ، لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو صومعے اور گرجے اور معابد و مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، مسمار کر دیئے جاتے۔

اس آئیہ شریفہ کو گہری نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس آئیہ شریفہ سے جنگ کی مصلحت و ضرورت پر بھی روشنی پڑ رہی ہے اور وحشیانہ دست درازی، انسانیت سے بعید، ظالمانہ اقدام سے باز رکھنے کی اعلیٰ تعلیم بھی پائی جاتی ہے۔

اس آئیہ شریفہ میں مسلمانوں کی مساجد کیساتھ اور تین قسم کی عبادت گاہوں کا ذکر، ایسے جامع الفاظ میں فرمایا ہے کہ جن کا پوری دنیا کے مذاہب و مسالک کی عباد گاہوں پر اطلاق ہو سکتا ہے۔

بلکہ "مَسَاجِدُ" کا ذکر آخر میں ہوا ہے۔ "صَوَامِعُ" سے مراد، راہب خانے اور مجوسیوں اور صائبیوں کے عبادت خانے ہیں "بِيَعٌ" سے مراد، عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے کتالیس ہیں۔ تیسرا زیادہ جامع لفظ "صَلَوٰتٌ" ہے۔ جس کا اطلاق ہر عبادت خانہ پر ہو سکتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ انصاف پر عمل کرنے والوں کے ذریعہ سے فتنہ و فساد برپا کرنے والے ظالم و قاتل لوگوں کی حیوانیت و درندگی کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کیا سنگدلی و بد بختی ہو سکتی ہے کہ مذہبی یا سیاسی عداوت و نفسانیت کے تحت، دوسری قوم کی عبادت گاہوں کو بھی برباد کر دے۔!!!

یہاں یہ ایراد نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت محمد ﷺ نے کعبۃ اللہ کے بت توڑ دیئے تھے کیونکہ وہ مشرکین کا بنایا ہوا، بت خانہ نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی محنت اور صبر آزما مصائب برداشت کر کے قلبی دعاؤں کے ساتھ اللہ کا گھر تعمیر کیا تھا۔ بعد کے زمانوں میں مرتدین، کفار و مشرکین نے اپنی نفسانیت اور اپنے باطل عقاید کے تحت، اُس اللہ کے گھر میں بت بٹھا دیئے تھے۔

حضرت محمد ﷺ کو جب قوت و غلبہ حاصل ہوا اور مکہ فتح ہو گیا تو آپؐ نے اُن بتوں کو نکال دیا، جو زبردستی اللہ کے گھر میں بٹھا دیئے گئے تھے۔!!

حاصلِ کلام یہ کہ مذکورۃ الصدر آئیہ شریفہ سے جہاں دینِ اسلام کی عدالت و انصاف پسندی اور دوسری اقوام کے مذاہب اور اُن کی عبادت گاہوں سے رواداری کی اعلیٰ تعلیم پر بھی روشنی پڑ رہی ہے۔ وہیں یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ "اصلاح" کی ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جس میں تلوار اٹھانا فرض ہو جاتا ہے۔

آئیہ شریفہ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (سورۃ النساء۔ 93)

(اور جو شخص مؤمن کو عمداً قتل کرے گا تو اُس کی جزاء جہنم ہے۔ جس میں ہمیشہ رہے گا) کی شانِ نزول سے نتیجہ اخذ کرنے میں اور اس آئیہ شریفہ کا منشائے الٰہی سمجھنے اور بیان کرنے میں مفسرین میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مفسرین نے اس آئیہ شریفہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔

علامہ شمسی مہدوی مرحوم نے اپنی تفسیر بزبانِ عربی (لوامع البیان) میں اُن اختلافات کا جو تذکرہ کیا ہے ملخصاً پیش کیا جاتا ہے:-

اس آئیہ شریفہ کی شانِ نزول کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت "مقیس بن البابتہ الکنائی" کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس نے اور اُس کے بھائی ہشام نے اسلام قبول کیا تھا اُس کے اپنے بھائی ہشام کو قبیلۂ بنی بخار میں مقتول پڑا ہوا پایا۔ ہشام اور قبیلۂ بنی بخار کے اس حادثہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مقیس نے عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے "قبیلۂ بنی فہر" سے ایک قاصد کو مقیس کے ساتھ روانہ فرمایا۔ ان دونوں نے وہاں پہنچکر اہلِ قبیلۂ بنی بخار سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سب کو حکم دیا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کریں۔ اگر تم ہشام کے قاتل کو جانتے ہو تو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہشام کے بھائی مقیس کو ہشام کے قتل کی "دِیَت" ادا کرو۔

ان سب نے کہا بسر و چشم، حکم کی اطاعت کی جائے گی۔ ہشام کے قاتل کو ہم نہیں جانتے ہیں لیکن اس کی "دِیَت" ادا کرینگے۔ انہوں نے مقیس کو ایک سو (100) اونٹ بطورِ "دِیَت" دیدئے۔ "مقیس اور قاصد بنی فہر، دونوں رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے۔ راستہ میں شیطان نے مقیس کو گھیر لیا۔ اور یہ "وسوسہ" پیدا کیا کہ رسول اللہ کے پاس نہ جائے۔ ساتھی قاصد کو قتل کر دے اور مرتد ہو کر مکہ کی طرف فرار ہو جائے۔ مقیس نے اس شیطانی وسوسہ پر عمل کرتے ہوئے قاصد بنی فہر کو قتل کر دیا۔ مرتد بن کر مکہ کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔

اس روایت کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے مقیس، دل سے مسلمان نہ ہوا ہو۔ اس کے دل میں کفر برابر موجود ہو گا ورنہ اللہ و رسولؐ کی محبت دل سے رکھنے والا، ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اور شیطان کا انسان کی صورت میں پیش ہو کر علانیہ، مقیس میں وسوسہ پیدا کرنا بھی کوئی قابلِ اعتبار بات نہیں ہے۔ فی الحقیقت مقیس، حبِ متاعِ حیاتِ دنیا میں ملوث تھا۔ اس لیے اس نے گمراہی اختیار کی۔

اس تنقید سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اس آیت کو جن مفسرین نے منسوخ قرار دیا ہے، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت ایک کافر کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ جس نے ایک مومن، رسول اللہ ﷺ کے قاصد، بنی فہر کو عمداً قتل کیا تھا۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے اور قرآنِ مجید کی آئیہ شریفہ:-

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ (سورۃ الفرقان۔68)

ترجمہ:- اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے قتل نہیں کرتے، مگر حق پر۔ اور نہ زنا کرتے ہیں۔ کو اُس آئیہ شریفہ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔ الخ" کی ناسخ قرار دیا ہے۔ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے۔ کیونکہ آئیہ شریفہ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔ الخ" آئیہ مذکورہ کے چھ (6) مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ "ابوداؤد" نے خارجہ بن زید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ انہوں نے زید بن ثابتؓ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ آئیہ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔ الخ آئیہ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔ الخ" آئیہ "وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۔۔ الخ" کے چھ (6) مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور "نسائی" کی روایت ہے کہ آٹھ مہینے بعد نازل ہوئی ہے۔!!

اس سے ظاہر ہے کہ جو آیت، بعد نازل ہوئی ہو، اُس کی ناسخ، اس سے پہلے کی آیت کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ قولِ اول کو بعد کے قول سے منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن پہلے کے قول سے بعد کے قول کو منسوخ قرار دینا سراسر، عقل و نقل کے خلاف ہے۔!!

بعض مفسرین نے آئیہ " وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔۔ الخ " کو اس لیے منسوخ قرار دیا ہے کہ اس کی ناسخ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے۔"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ " (سورۃالنساء۔48)

ترجمہ:- یعنے بے شک اللہ، شرک کے سوائے جس کے چاہے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

جو لوگ آئیہ "وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔۔ الخ" کو غیر منسوخ مانتے ہیں، انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض (اختلاف) جو نظر آتا ہے اُس کو مرتفع کرنا، ناممکن نہیں ہے کیونکہ سورۂ نساء کی مذکورۃ الصدر آئیہ شریفہ کو "تقیید" پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ معنی ہونگے کہ جو توبہ نہ کرے، اُس کی جزاء، جہنم ہے۔ اور کلمہ "تاب" اس آئیہ شریفہ میں بھی موجود ہے، جس کو بعض مفسرین نے ناسخ قرار دیا ہے۔ جس سے اس بات کا ثبوت ہوتا ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَ لَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿68﴾ یُّضٰعَفۡ لَہُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ یَخۡلُدۡ فِیۡہٖ مُہَانًا ﴿69﴾ ۙ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿70﴾

(سورۃالفرقان)

ترجمہ:- اور جو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے قتل نہیں کرتے مگر حق پر۔ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزاء سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب دگنا کر دیا جائے گا۔ اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔ مگر جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لہٰذا آئیہ شریفہ " وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیۡہَا ۔ الخ "(سورۃالنساء۔93) منسوخ نہیں قرار دی جاسکتی۔ اس آئیہ شریفہ کے ذیل میں مفسرین کی اور بھی بحثیں پائی جاتی ہیں۔ بعض نے وعید قرار دی، بعض نے خبر قرار دی۔ حالانکہ یہ آئیہ شریفہ وعید ہے نہ خبر بلکہ "جملۂ شرطیہ" ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا تو اُس کی جزاء جہنم ہوگی۔ جس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ "حکم" ہے کہ یہ سزاء دی جائے گی۔

علامہ شمسی مہدوی مرحوم نے مفسرین کی آراء اور مابہ النزاع مسائل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق میں دوسری ہی بات کہوں گا وہ یہ کہ جو شخص عمداً قتل کرے اور بعد میں اگر وہ اللہ سے ڈرے، نادم ہو اور احکامِ شرع کی اتباع سے سرتابی نہ کرے تو اس قاتلِ عمد پر ایمان کا حکم عاید ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَ لَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۔۔ الخ ﴿179﴾ "(سورۃالبقرہ۔179)

ترجمہ:- اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں حیات ہے۔

اگر خوف و ندامت بھی نہ ہو، توبہ بھی نہ کرے تو وہ قاتلِ عمد، مؤمن حقیقی نہیں ہو سکتا، اگرچہ کہ بظاہر مسلمان ہو۔ پھر بھی عند اللہ کافر ہی رہے گا۔ کیوں کہ اس قاتلِ عمد میں خوف و ندامت نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں خدائے تعالیٰ کے انتقام و قہر اور اس کے انصاف و محاسبہ پر اُس کے دل

میں ایمان نہیں ہے۔ اس لیے بلاشبہ وہ کافر کے حکم میں ہے۔ اور کافر کی سزاء دائمی جہنم ہے۔

اس توجیہ سے ثابت ہے کہ آئیہ شریفہ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا"۔۔الخ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔(لوامع البیان جلد 3)

اس بحث میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ آئیہ شریفہ ایسے کافر کے حق میں نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کر دیا ہو؟ یا ایسے مومن کے حق میں نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا ہو؟ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ یہ آیت ایسے مومن کے حق میں وارد ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا ہو۔ شانِ نزول کی روایت بھی یہ ثابت ہے کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کیا ہے۔ کیونکہ مقیس نے بنی فہر کے لیے مسلمان شخص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنا قاصد بنا کر اُس کے ساتھ روانہ کیا تھا، قتل کر دیا۔

اگر اس آئیہ شریفہ کو کافر کے لیے مخصوص کیا جائے تو درست نہ ہو گا کیونکہ کافر کی سزاء تو بہر حال دائمی جہنم ہو گی، کوئی کافر اگر کسی کو قتل کر دے اور حکومتِ وقت، تعزیراً قصاص کے طور پر اس کو قتل بھی کر دے، تب بھی کفر کی وجہ سے اس کی سزاء آخرت میں دائمی جہنم ہو گی۔ اس لیے دائمی جہنم کی سزاء کسی کافر کے حق میں جو قتلِ عمد کا مرتکب ہوا ہو، بیان کرنا، تحصیلِ حاصل ہو گا۔ ایسا غیر ضروری بیان، کلام اللہ کی شان کے بالکل مغائر ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ آئیہ شریفہ ایسے مومن کے حق میں وارد ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کر دیا ہو تو اس صورت میں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ چوری، زنا، قتل وغیرہ جرائم کے ارتکاب سے مؤمن کو "فاسق" قرار دیا جاتا ہے۔ ازروئے مسلمات وعقایدِ اکابرِ اہلِ سنت، اس پر کفر کا حکم عائد نہیں ہوتا۔ جب سارق، زانی، و قاتل وغیرہ مجرمین پر کفر کا حکم عاید نہیں ہوتا، تو قتل کی سزاء، دائمی جہنم کیسے ہو سکتی ہے؟

چونکہ مؤمنِ فاسق کی یہ سزاء دوسری آیات کے برخلاف پائی جاتی ہے اس لیے اس آیت کو منسوخ قرار دینا، بعض مفسرین نے ضروری سمجھا۔

حالانکہ قابلِ غور بنیادی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ہر آیت جو اللہ کا کلام ہے، اُس کو منسوخ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے قطع نظر یہاں دیکھنا یہ ہے کہ آئیہ مذکورہ کے معانی کو متعین کرنے میں جو دشواری محسوس کی جا رہی ہے اس کو دور کرنا ممکن ہے یا نہیں؟

اگر ممکن ہے تو کلام اللہ کو منسوخ قرار دینے کی بجائے، اس میں تطبیق کی کوشش کو "اُولیٰ واحسن" ماننا لازم ہو گا۔ بعض مفسرین کو آئیہ شریفہ، "فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا۔۔الخ (سورۃ النساء۔93)" کے معانی میں اُس آئیہ شریفہ سے تعارض نظر آیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ "اللہ جس کو چاہتا ہے شرک کے سوائے اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

حالانکہ اس آئیہ شریفہ کو سمجھنے کے لیے اس سوال کا جواب لازم ہوتا ہے کہ کیا بغیر توبہ کے بھی ہر کسی کے تمام گناہ معاف ہو جائینگے؟

ماننا پڑے گا کہ ازروئے، کتاب اللہ واحادیثِ رسول اللہ ﷺ مغفرت کے لیے توبہ ضروری ہے۔

بلکہ ازروئے احکامِ دین ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن گناہوں کی توبہ قبول فرمائے گا، جن کا تعلق، حقوق اللہ کی خلاف ورزی سے ہو۔ اور جن خطاؤں کا تعلق حقوق العباد سے ہو، بندہ ہی سے معاف کروانا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ اب ملاحظہ ہو کہ اُس آئیہ شریفہ میں توبہ کی قید مذکور نہیں ہے۔ اس کے باوجود، دوسری آیات واحادیث سے مغفرت کے لیے توبہ کی قید لگانا ضروری ہوا۔ ورنہ بغیر توبہ کے ہر کسی کے گناہ، معاف ہو جانا، تسلیم کرنا لازم آئے گا، جو عقل و نقل کے صریح مغائر ہے۔

نیز اللہ کی طرف سے کتابوں کا نازل ہونا اور رسولوں کا آنا سب غیر ضروری ماننا لازم آئے گا۔

اس اعتبار سے آئیہ شریفہ، " فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ۔۔الخ " (سورۃ النساء۔93) کا مطلب متعین کرنے میں توبہ کی قید لاگانے سے کوئی دشواری باقی نہیں رہتی، صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ جو مؤمن، کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے گا، کسی حیلہ سے قصاص (نوٹ) سے بچ جائے گا۔ دل میں اللہ سے نہیں ڈرے گا، رجوع الی اللہ ہو گا نہ توبہ کرے گا، تو اُس کی یہ شقاوت و بد بختی اُس کو کفر کی سزاء دائمی جہنم کا مستحق بنائے گی۔

نوٹ:- حالانکہ قصاص بھی مؤمن کے لیے رحمت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے فرمایا:- اے عقلمندو! قصاص میں تمہارے لیے حیات ہے، یعنے اس دنیا میں اگرچہ کہ خون کے بدلے اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ لیکن آخرت میں ابدی حیاتِ ذی رحمت سے سر فراز ہو گا۔!!!

قرآنِ مجید کی دوسری آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً:-

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿10﴾

(سورۃ البروج)

ترجمہ:- جن لوگوں نے مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں پر ظلم و ستم کیے اور توبہ نہیں کی، اُن کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور جلائے جانے کی سزاء ہے۔

لہٰذا آئیہ مذکورہ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

بعض مفسرین کو آئیہ شریفہ " وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا " ۔۔ الخ (سورۃ النساء۔93)

کے معانی میں ایک اور آئیہ شریفہ سے تعارض نظر آیا:-

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ

(سورۃ الفرقان۔68)

ترجمہ:- اور جو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے، مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے۔

اس لیے آئیہ شریفہ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ۔۔الخ کو منسوخ قرار دے دیا ہے۔

اس کا جواب گذر چکا کہ یہ آیت چھ (6) یا آٹھ (8) مہینے کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے پہلے کی آیت اس کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس آئیہ شریفہ سے بعض مفسرین نے تعارض سمجھا ہے اُسی آئیہ شریفہ سے وہ تعارض مرتفع ہو جاتا ہے کیونکہ اُس آئیہ شریفہ میں اُن مومنین کا بیان ہے جو کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔ اس کے برخلاف " وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ۔۔ الخ میں ایسے مؤمنین کا ذکر ہے جو کسی کو عمداً ناحق قتل کر دیا ہو۔!!

تعارض اُس صورت میں تسلیم کیا جا سکتا تھا جب کہ اُن مفسرین کی پیش کردہ آیت میں یہ مذکور ہوتا کہ ناحق عمداً قتل کرنے والے فعلِ حرام کے مرتکب کی سزاء جہنم نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُس آئیہ شریفہ میں بھی ایسے فعلِ حرام کے مرتکب کی سزاء صاف طور پر دائمی جہنم بیان کی گئی ہے:-

وَ مَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ يَلۡقَ اَثَامًا ﴿68﴾ يُّضٰعَفۡ لَهُ الۡعَذَابُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَ يَخۡلُدۡ فِيۡهٖ مُهَانًا ﴿69﴾ ق (سورۃالفرقان)

ترجمہ:- اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزاء سے اُس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اُس کا عذاب دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آئیہ شریفہ، "فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا ۔۔ الخ" سے اُس آئیہ شریفہ میں تعارض نہیں ہے بلکہ توافق موجود ہے۔ کیونکہ ایک آیت کی تائید دوسری آیت سے ہو رہی ہے۔ " يَخۡلُدۡ فِيۡهٖ مُهَانًا " (اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے گا) کے الفاظ، ہدایتاً شاہد ہیں۔ لہٰذا جن مفسرین نے جس آیت سے تعارض سمجھا، اُس کے بعد ہی کی آیت سے مرتفع ہو جاتا ہے۔!!! یہی ایک دلیلِ قاطع وبرہانِ واضح، اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ آئیہ شریفہ "وَ مَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا ۔۔ الخ" کو منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔!!

نیز یہ کہ اس آئیہ شریفہ (سورۃالفرقان) 69 کے بعد ہی اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ۔۔ الخ (مگر جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور عملِ صالح کیا) کے الفاظ بھی ہیں جو مغفرت کے لیے توبہ کی ضرورت کو ظاہر کر رہے ہیں۔

غرض آئیہ شریفہ کے اس حصہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ جو توبہ کرے گا ایمان لائے گا (احکامِ دین پر) اور نیک عمل کرے گا وہ دائمی جہنم کے عذاب سے بچ جائیگا۔

چنانچہ اس آئیہ شریفہ کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی ہے:-

"فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿70﴾" (سورۃالفرقان)

ترجمہ:- تو ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ اللہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آئیہ شریفہ کے اگلے حصوں کو ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر حصہ اس کے دوسرے حصہ سے مربوط ہے۔ اور ثابت ہو جاتا ہے کہ وَ مَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا ۔۔ الخ (سورۃالنساء۔93) کی رو سے بھی عدم توبہ کی صورت میں دایمی جہنم کی سزاء کا مستحق ہو گا۔ لہٰذا، اس آئیہ شریفہ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دائمی جہنم کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے:-

"وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا " (سورۃالنساء۔93)

ترجمہ:- اور اللہ اُس پر غضبناک ہو گا اور اُس کو رحمت سے دور کر دے گا اور اُس کے لیے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

ایسی آئیہ شریفہ، جس میں لعنت اور عذابِ جہنم کا نہایت تاکید واہتمام سے ذکر کیا گیا ہو، تعجب ہے کہ اُس کو منسوخ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

غرض یہ کہ جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا اور اُس پر مصر رہے گا، اِس کی سزاء آخرت میں وہی ہو گی جو اُس آئیہ شریفہ میں صریحاً و تاکیداً مذکور ہے۔

بینۃ اللہ، مبین القرآن، امامِ آخر الزماں، حضرت مہدء موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ایک موقع پر جو حکم

صادر فرمایا ہے اُس کی روشنی میں اس بحث کا ماحصل اور زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت شاہِ نعمت رضی اللہ عنہٗ صحابیِ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام، سلطان محمود بیگڑہ، بادشاہِ گجرات کے بہت بڑے درجہ کے ایک امیر، ملک بڑے کے فرزند تھے۔ جو "بیانہ" کے متوطن اور شیخ صدیقی تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد منصب امارت، میاں نعمت کو عطا ہوا جو نوجوان اور ناتجربہ کار تھے، شجاعت، سپاہگری پر زعم تھا۔ بادشاہ وحکام کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ایک دفعہ بعض امرائے گجرات سے تکرار ہوگئی تو آپ نے سات (7) امیروں کا قتل کر دیا۔ پچیس یا تیس (25 یا 30) آدمیوں کو ہموار کر کے شہر سے نکل گئے۔ احمد آباد کے اطراف کے علاقوں میں گھومنے لگے۔

ایک دن عبداللہ نامی حبشی، شاہی غلام کے لڑکے کو بھی آپ نے قتل کر دیا۔ پانچ یا سات سو بہادر سواروں کی جمعیت، گرفتاری کے لیے روانہ کی گئی۔ لیکن آپ نے پرواہ نہ کی۔ اور اپنے آزادانہ موقف کو برابر جاری رکھا۔ آخر تعاقب کرتے کرتے فوج تھک گئی۔

ایک روز اُس فوج کے ایک سو (100) سواروں کی ایک جماعت، تعاقب میں موضعِ سانتیج سے گزری، میاں نعمت کا سراغ لگ گیا۔ فوراً یلغار کر دی۔ میاں نعمت اور آپ کی جماعت کے گھوڑے بھی تیزی سے زمین کے نشیب و فراز طے کر رہے تھے۔

"سانتیج" کے قریب عصر کی اذاں کی آواز سنائی دی۔ میاں نعمت نے ساتھیوں سے کہا، اذاں ہو رہی ہے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ ساتھیوں نے گھبرائے ہوئے کہا کہ دشمن تعاقب میں ہے، ہم سب کے گرفتار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن میاں نعمت نے پرواہ نہ کی، وضو کر کے نماز شروع کر دی۔ ساتھیوں کو ٹھیرنے کی ہمت نہ ہوئی، راہِ فرار اختیار کی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں نعمت اس حال میں بھی نماز کے پابند تھے اور آپ کی دینداری، آپ کے یقینِ محکم اور آپ کی بے باکی، کی برابری کرنے والا ساتھیوں میں کوئی نہ تھا۔

فوج نے بھاگے ہوئے گھوڑوں کے نشانات پر تعاقب جاری رکھا۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک گھوڑا، کھڑا ہے۔ جس کی لگام درخت سے باندھی ہوئی ہے۔ اور سوار، کمالِ خشوع و خضوع سے نماز میں منہمک ہے۔ بعض فوجیوں نے رائے قائم کی کہ یہ فرار شدہ ٹولی ہی کا فرد ہو گا۔ اور بعض نے اس رائے کو غلط ٹھہرایا۔ بعض نے اُس سوار کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرار شدہ ٹولی کا پتہ لگانے کی رائے دی۔ آخر میں طے پایا کی اس عرصہ میں فرار شدہ ٹولی بہت آگے نکل جائے گی اور تعاقب ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے سب تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

میاں نعمت نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد موضعِ "سانتیج" کے باشندوں سے دریافت کیا کہ اس جنگل میں اذاں کس نے دی۔ اُن لوگوں نے کہا کہ "اہل اللہ و متوکل علی اللہ" بزرگوں کی ایک جماعت احمد آباد سے یہاں آئی ہوئی ہے۔ اس کے پیشوا حضرت سید محمدؐ جونپوری ہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس اذاں میں بھی زبردست کشش و جاذبیت تھی جس کی وجہ سے میاں نعمت میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ سب افکار سے بالاتر ہو کر حضرتؑ سے ملنے کے مشتاق ہو گئے۔

وہاں پہنچے تو اُس وقت حضرت مہدی علیہ السلام حسبِ عادت، عصر و مغرب کے درمیان، بیانِ قرآن فرما رہے تھے۔ میاں نعمت کو دیکھتے ہی فرمایا، "آؤ میاں نعمت"، یہ امامناؑ کا اعجاز تھا، آنے والے نئے شخص کو از خود نام لے کر بلایا کرتے تھے۔ اس اعجاز کا سب پر حیرت انگیز اثر ہوا کرتا تھا۔ بیانِ کلام اللہ کی تاثیر سے میاں نعمت پر بے خودی طاری ہو رہی تھی۔ اور قتل و خون کے حادثات کا رنج و ملال، اس قدر ہو رہا تھا کہ آنسو رواں تھے۔ دل مضطرب ہو گیا تھا۔ بیانِ قرآن ختم ہونے کے بعد میاں نعمت، مہدیٔ موعود علیہ السلام کے قدمِ مبارک پر گر پڑے۔ عجز و نیاز سے زار زار ہو کر

اپنے گناہوں کا اظہار کر رہے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا، میاں نعمت، تم بے شک نعمت ہو۔!!اس کے بعد فرمایا کہ توبہ کرو!!! خدا غفور الرحیم ہے۔اس کے بعد ذکرِ خفی کی تلقین فرمائی۔اور حکم دیا کہ "حق الناس"(لوگوں کا حق) معاف نہیں ہوتا جب تک اس کے مستحق معاف نہ کر دیں!!!

میاں نعمت، اجازت لے کر رونہ ہو گئے۔ ننگی تلوار لیے ہوئے پہلے اُس حبشی عبد اللہ کے گھر پہنچے۔ آواز دی، عبد اللہ ننگی تلوار لیے ہوئے دیکھ کر گھبرا یا۔ میاں نعمت نے فرمایا، گھبراؤ نہیں، تلوار عبد اللہ کے ہاتھ میں تھما کر، اپنی گردن جھکادی کہ اپنے لڑکے کے قتل کا بدلہ لے۔ کیونکہ قصاص واجب ہے۔!!

عبد اللہ حیران ہو گیا کہ ایسا جری و بہادر شخص، جس سے شاہی فوج تنگ آگئی ہو، اُس کا دل اس قدر نرم ہو جانا، اور اپنی جان سے بے پرواہو کر احکامِ دین کے اتباع کی طرف رجوع ہو جانا، معمولی بات نہیں ہے۔ اُس نے اس غیر معمولی تبدیلی کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے حضرت مہدی علیہ السلام کی تاثیراتِ بیانِ قرآن و صحبتِ فیض درجات کا ذکر کیا۔

عبد اللہ میں بھی عشقِ الٰہی کی طرف رغبت پیدا ہو گئی۔ میاں نعمت کے ہاتھ سے اُس کے لڑکے کا ناحق خون جو ہوا تھا اللہ کے لیے معاف کر دیا۔ اور سیدھے حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے روانہ ہو گیا۔ اُس وقت تک آپؑ، "پٹن" تشریف لے جا چکے تھے۔ وہاں حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔

شاہِ نعمت نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ جس جس کا خون آپ کے ہاتھ سے ہوا تھا، اُس کے ورثہ سے اسی طرح خون معاف کروایا۔ اس کے بعد اپنے گھر جا کر اپنی دونوں بیویوں کا حق ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ بندہ نے ہجرت کر کے حضرت سید محمد علیہ السلام کی صحبتِ کیمیا تاثیر سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا ہے ،اس لیے تم کو اختیار دیتا ہے، بندہ کا کوئی جبر نہیں ہے۔

اس کے بعد روانہ ہو کر پٹن میں حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر صرف 29 سال تھی۔ خدائے غفور و رحیم نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کو سات (7) سال حضرتؑ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ دربارِ گوہر سے بڑی بڑی بشارتیں آپؓ کو عطا ہوئیں ۔مہدیٔ موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد 24 یا 25 سال تک خلق کو خالق کی طرف بلانے میں اور مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیضانِ عشق و دیدار و طلبِ دیدار الٰہی کو عام کرنے میں مصروف رہے۔ 61 سال کی عمر میں بتاریخ 22 شعبان 935 ہجری، 17 یا 21 پاکانِ خدا، متوکلین علی اللہ کے ساتھ صفِ نماز پر "ناحق" شہید کر دیئے گئے۔

ان مختصر سوانح عظیمہ سے متبادر ہے کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے صرف توبہ و رجوع الی اللہ، کو کافی نہیں قرار دیا۔ بلکہ "حقوق الناس" کی پابجائی کے لیے قصاص یا خون وغیرہ خطاؤں کی معافی حاصل ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ تاکہ کمالِ اخلاص کے ساتھ عند الناس و عند اللہ، دنیا و آخرت میں کامل خلاصی نصیب ہو۔!!!

حاصلِ کلام یہ کہ جو مومن، کسی مومن کو عمداً ناحق قتل کرے، اور اس کے تعلق سے دینِ اسلام کے قائم کردہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائی سے محروم رہ جائے تو حسبِ آئیہ شریفہ:-

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾(سورۃ النساء)

ترجمہ:- اور جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا، اُس کا بدلہ جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ اُس پر غضبناک ہو گا اور اُس کو رحمت سے دور کر دے گا اور اُس کے لیے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

عند اللہ، قیامت میں دائمی جہنم کی سزاء کا مستحق ہو گا!!! اللّٰھُمَّ احفظنا عن الشرور و الفتن

اس سے ثابت ہے کہ دینِ اسلام میں انسان کی جان کے احترام و تحفظ کا فقید المثال اہتمام پایا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید و احادیثِ شریفہ میں کسی جگہ بھی کوئی ایسا حکم یا ایسا ارشاد نہیں ملتا، جس میں کسی پر جبر و تشدد سے یا تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کو روا رکھا گیا ہو۔ جن آیات میں "جہاد" سے مراد، قتال (جنگ) ہے، اُن میں سے کسی آیت میں بھی عبارتاً، اشارتاً، دلالتاً، یا اقتضاءً یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کو مسلمان بنانے کے لیے جہاد بالسیف کا حکم دیا گیا ہو۔

جنگ کے جو کچھ اسباب بیان کیے گئے ہیں اُن میں سے بنیادی اسباب یہ ہیں کہ مسلمانوں کا ناحق قتل و خون ہو رہا ہو، یا فتنہ و فساد اس درجہ پر ہو رہا ہو کہ آئیہ شریفہ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (فتنہ، قتل سے زیادہ شدید ہے) کے مطابق صورت، باعتبارِ دین پیدا ہو گئی ہو، یا دینِ اسلام اور حکومتِ اسلامیہ (حکومتِ اسلامیہ کا اطلاق مسلمانوں کی ایسی حکومت پر ہو سکتا ہے، جس کو شریعتِ اسلامیہ کے بالکل مطابق حکومت کرنے کی قدرت حاصل ہو، جس مسلم حکومت کے مسلمان صدور و حکام خود صورت و سیرت میں اسلامی احکام کے پابند نہ ہوں اور غیر اسلامی حکومتوں کے بنائے ہوئے سماجی، سیاسی، معاشی، اقتصادی وغیرہ قوانین اور سود و فلمسازی کاروبار کو اپنی حکومت میں جاری رکھے ہوئے ہوں، ایسی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت تو کہا جا سکتا ہے لیکن "حکومتِ اسلامیہ" نہیں کہا جا سکتا۔) کی بیخ کنی ہو رہی ہو، تباہی برپا کی جا رہی ہو، یا غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہ ہو، دینِ اسلام پر عمل کرنا، مسلمان کی حیثیت سے جینا، ناممکن ہو گیا ہو، حکومتِ وقت اس کے انسداد پر قادر نہ ہو۔

اگر مدافعت کی قوت حاصل نہ ہو، اور اصلاح کی کوئی تدبیر بھی ممکن نہیں رہی ہو تو "امن" کے کسی دوسرے مقام کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ تاکہ مذہبی احکام پر عمل کر کے پر امن زندگی گزار سکیں۔

جن آیتِ شریفہ میں جنگ کی تیاری کرنے کا حکم ہے، اُن میں بھی مدافعت ہی کا منشاء مضمر ہے۔ کسی پر حملہ کرنے یا اقدامِ جنگ کے لیے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے۔

بلکہ دینِ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ جس طرح دینِ اسلام اور حکومتِ اسلامیہ کی حفاظت اور دفعِ فتنہ و تحفظِ خود اختیاری کے لیے جنگ کرنی ہو گی۔ اسی طرح غیر مسلموں کی عبادت گاہیں اگر خطرہ میں ہوں تو اُن کی مدافعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ آئیہ شریفہ مذکور ہو چکی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "اگر اللہ بعض لوگوں کی شرارت و فتنہ انگیزی کا دفعیہ دوسرے لوگوں کے ذریعہ نہ کرتا تو صومعے، گرجے، عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے ڈھا دیئے جاتے۔"

دینِ اسلام میں جنگ کے آداب بھی ایسے اعلیٰ و ارفع ہیں کہ اُن کی مثال نہیں مل سکتی۔ حد سے گزر کر درندگی، شقاوت، ظلم و بے رحمی اختیار کرنے اور جنگ کے ناقابل افراد، بوڑھے، بیمار، بچوں اور عورتوں کے قتل، لوٹ، غارت گری اور عورتوں کی عصمت ریزی سے باز رہنے کے واضح احکام بھی موجود ہیں۔

لیکن مسلمان بنانے کے لیے جبر و جنگ کا حکم دینِ اسلام میں قطعاً موجود نہیں ہے، بلکہ صاف و صریح ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:-

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قلا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْم بِا للهِ فَقَدِا سْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى قف لَاانْفِصَامَ لَهَاط وَ اللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿256﴾ (سورۃالبقرہ)

ترجمہ:- دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔(کیونکہ)ہدایت، یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی، جو شخص شیطان کی نافرمانی کرے اور اللہ پر ایمان لائے، اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح شکستگی نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آئیہ شریفہ کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔

مفسرین نے اس کی شانِ نزول یہ بیان کی ہے کہ مدینۂ منورہ کے باشندوں کا ایک طریقہ یہ تھا کہ کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ منت مانتی کہ میرا کوئی بچہ زندہ رہے گا تو میں اُس کو یہودی بناؤں گی۔ اس طریقہ سے انصار کے بہت سے بچے یہودی بنا دیئے گئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نفیر کو اُن کی حرکات کی وجہ سے سن 4 / ہجری میں جلاوطن کیا تو اُن میں انصار کے وہ بچے بھی شامل تھے جو یہودی مذہب کے پیرو بنا دیئے گئے تھے۔ انصار نے کہا ہم اُن بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے اُن کو اُس زمانہ میں یہودی بنا دیا تھا۔ جب ہم اُن کے دین کو اپنے دین سے بہتر جانتے تھے۔ اب جب کہ تمام ادیان سے افضل دین ہمارے پاس ہے تو ہم اپنے بچوں کو یہودی مذہب پر قائم رہنے نہیں دینگے۔ اسلام قبول کرنے پر اُن کو مجبور کرینگے۔ اس موقع پر یہ حکم لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ نازل ہوا کہ اُن کو مجبور نہ کرو۔ کیونکہ دینِ اسلام میں جبر نہیں ہے۔

"تفسیرِ ابنِ جریر"، "تفسیرِ ابنِ کثیر"، "ابوداؤد"، "نسائی" وغیرہ کتبِ تفاسیر واحادیث میں یہی شانِ نزول مذکور ہے۔

بعض نے یہ روایت بیان کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کے دو بیٹے نصرانی تھے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر، عرض کی، میرے لڑکے نصاریٰ کا مذہب چھوڑنے راضی نہیں ہیں، کیا میں اُن کو مجبور کر سکتا ہوں؟ اس موقع پر یہ آئیہ شریفہ نازل ہوئی۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ اِن دونوں واقعوں کے مدعا میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابنِ جریرؒ نے اس آئیہ شریفہ کی تفسیر میں لکھا ہے:-

لانكرهوا احدا على الدخول فى دين الاسلام فانه بين واضح جلى دلائله و براهينه لايحتاج الى ان يكره احد على الدخول فيه بل من هداه الله الاسلام و شرح صدوره و نوربصيرته دخل فيه علٰى بينة و من اعمٰى الله قلبه و ختم علٰى سمعه و بصره فانه لا يفيده الدخول فى الدين مكرها و مقسورا

ترجمہ:- دینِ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو کیونکہ دینِ اسلام اس قدر بین وواضح ہے اور اُس کے دلائل وبراہین اس قدر روشن ہیں کہ کسی شخص کو اُس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ نے جس کو ہدایت دی ہو جس کا سینہ قبولِ حق کے لیے کھول دیا ہو، اور جس کو بصیرت کا نور عطا کیا ہو، وہ دلیلِ واضح کی بنا پر اِسے خود اختیار کرے گا۔ اور جس کی سماعت وبینائی پر مہر کر دی ہو، اُس کا جبر وزبردستی کی حالت میں داخلِ اسلام ہونا بے کار ہے۔

تفسیرِ کشاف میں یہ تشریح کی گئی ہے:-

لم يجبر الله امرا لا معياد علٰى الاجبا لاشب و لٰكن خلق التمكن والاختيار و نحوهٗ قوله

"وَ لَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴿99﴾

(سورۃیونس)

ترجمہ:- اللہ نے ایمان کے لیے جبر وزبردستی کا حکم جاری نہیں کیا ہے۔ تم کو اختیار پر (چھوڑ دیا ہے) اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔"وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ ۔۔۔ الخ" یعنے تیرا رب چاہتا تو روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ ایمان لے آئیں۔

مذکورۃ الصدر آئیہ شریفہ کے الفاظ اور اُس کی شانِ نزول اور تفاسیر سے ظاہر ہے کہ اسلام قبول کرنے کے لیے جبر وزبردستی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ صاحبِ کشاف نے جس آئیہ شریفہ کو تائید میں پیش کیا ہے، اُس سے تفسیر القرآن بالقرآن کے اُصول پر "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کی تفسیر عیاں ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ کئی آیاتِ شریفہ سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے مثلاً:-

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (سورۃ الکھف۔29)

ترجمہ:- پس (اب) جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿4﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿5﴾ (سورۃ الشعراء)

ترجمہ:- شاید تو اس رنج میں اپنی جان دے دے گا کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اگر ہم چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک ایسی روشنی اتار دینگے کہ اس کے آگے اُن کی گردنیں جھک جائیں (مگر ہم ایسا نہیں کرتے)

اسی طرح آئیہ شریفہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں بھی یہ بات واضح کی گئی ہے کہ دینِ اسلام اختیار کرنے کے لیے کسی پر جبر وزبردستی جائز نہیں ہے ۔اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنے ہدایت، گمراہی سے ممتاز کر کے دکھائی جاچکی۔

منشائے الٰہی یہ ہے کہ یہ دنیا، ابتلاو آزمائش کا گھر ہے۔ اس لیے جبر واکراہ، امتحان و آزمائش کے منافی ہے۔ کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے نفسِ ناطقہ عطا فرمایا ہے۔ مفید و مضر، اچھے اور برے کو تمیز کرنے میں عقل سے مدد لینے کا اہل بنایا ہے۔ قرآن و رسولؐ کے ذریعہ سے صاف طور پر توحید و رسالت اور اچھی و بری باتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اور تاکید کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے کہ توحید و رسالت پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے فوائد، فضائل و انعام کیا ہیں، یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اچھائی یا برائی کا معیار، ہر انسان ذاتی خیال و قیاس نہیں بلکہ احکام خدا و رسول ہیں۔!!!

اور صاف صاف بتلا دیا گیا ہے کہ کفر و بد اعمالی کے نقصانات سے اور اُن کی سزائیں کیا ہیں۔!!!

اس کے بعد انسان کا امتحان باقی رہ جاتا ہے۔ اگر جبر وزبردستی کی جائے تو امتحان کا جو اہتمام کیا گیا ہے، سب بے کار ہو جائے گا۔ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی "تفسیرِ کبیر" میں یہی تصریح فرمائی ہے:-

انه تعالیٰ قال بعد هذه الآية قدتبين السشد من الغی يعنی ظهرت الدلايل و صحت البينات ولم يبق بعدهاالا طريق القسروالابجاء والاكراهِ و ذالک غير جائزلا نهينا فی التكليف

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے اس آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے بعد فرمایا ہے" قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ " یعنے (ہدایت گمراہی سے ممتاز کر کے دکھائی جاچکی ہے) یعنے دلیلیں ظاہر کر دی گئی ہیں اور براہین و حجتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں اور اب صرف جبر و اکراہ اور زور کا طریقہ

رہ گیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تکلیف کے منافی ہے۔

احادیثِ شریفہ کے مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ قوت و غلبہ حاصل ہونے اور حکومت قائم ہو جانے کے بعد بھی کبھی آپؐ نے کسی کو قتل یا قید یا ایذا رسانی کی دھمکی دے کر مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا۔

فتح مکہ کے بعد کے واقعات سے یہ بات اور زیادہ روشن ہو جاتی ہے کیونکہ عام کفار و مشرکین کے قطع نظر آپؐ نے اُن کفار کی بھی جاں بخشی فرمائی ہے جو آپؐ کے خون کے پیاسے تھے اور بہت ساری اذیتوں کا موجب بنے ہوئے تھے۔ ایسے شقی القلب، شدید ترین ظالموں کے بھی حق میں آپؐ نے فرمایا:- "لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء" آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، جاؤ تم آزاد ہو۔ "لیکن اُس ذاتِ رحمتہ للعالمین نے اُن میں سے کسی سے انتقام لیا اور نہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور کیا۔ ولو بالفرض، جبر و اکراہ کی تائید میں کوئی ایسی روایت پیش کی جائے تو اس معارضہ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس روایت کے الفاظ میں غور و تحقیق کی ضرورت ہو گی۔ بلکہ، "اُصولِ حدیث" کے تحت، آیات و احادیثِ کثیرہ کے مقابلہ میں اُس کو ضعیف قرار دینا لازم ہو گا۔

عملِ صحابۂ رسول ﷺ کو دیکھا جائے تو تاریخِ اسلام میں اس کی بھی بے شمار شہادتیں مل سکتی ہیں۔

ابنِ ابی حاتمؒ نے روایت کی ہے:-

"عن اسبق قال کنت فی دینھم مملوکا نصرانیاالعمر ابن الخطاب فکان یعرض علی الاسلام فابی فیقول لا اکراہ فی الدین و یقول یا اسبق لواسلمت لاستعنابک علٰی بعض امورالمسلمین"

ترجمہ:- یعنے اسبق نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن خطاب کا نصرانی غلام تھا۔ آپؓ مجھے اسلام کی دعوت دیتے تو میں انکار کر دیتا تھا۔ آپؓ فرماتے کہ "لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ" اور فرماتے کہ اے اسبق! اگر تو اسلام قبول کر لیتا تو ہم تجھ سے مسلمانوں کے بعض اُمور میں مدد لیتے!!! یہ ایسا اہم واقعہ ہے کہ جس سے آئیہ شریفہ " لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ " کی تفسیر واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار روایتیں صحابۂ رسول اللہ ﷺ کے ادوارِ خلافت میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابو بکرِ صدیق رضی اللہ عنہٗ کے زمانہ میں خالد بن ولید نے فتح "حِیر" کے بعد اہلِ حِیر کے لیے جو صلح نامہ مرتب کیا اور جس کو حضرت ابو بکرِ صدیقؓ نے نافذ فرمایا اس میں یہ تحریر بھی ہے:-

لایھدم لھم بیعۃ و کنیۃ ولا قصرمن قصورھم التی کانوا یحصنون فیھا اذا نزلیھم عدولھم ولا یمنعوا من ضرب النواقیلن ولامن اخراج الصلیبات فی یوم عیدھم (کتاب الخراج صـ 84)

ترجمہ:- اُن کی عبادت گاہیں گرجا و کلیسہ منہدم نہیں کیے جائینگے اور نہ اُن کے قلعوں کو توڑا جائے گا۔ جن میں وہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے رہتے ہیں۔ نہ اُنہیں ناقوس بجانے سے روکا جائے گا اور نہ اُن کی عید کے روز صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔

حضرت عمر، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کے بھی دورِ خلافت کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ، مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر بن عاصؓ نے اپنی فوج کے ساتھ بیت المقدس کی طرف کوچ کیا، شہر کی فصیل کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا تو رُومیوں نے تنگ آ کر کہلا بھیجا کہ ہم مصالحت کے لیے آمادہ ہیں بشرطیکہ خود خلیفۂ اسلام آ کر ہم سے معاہدۂ صلح کریں۔ اس بناء پر آپؓ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ جو معاہدہ مرتب ہوا، اُس کے ایک حصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:- "یروشلم کے غیر مسلموں کو اُن کی عزت، جان و مال، اولاد، عبادت گاہوں، صلیبوں اور ہر اُس چیز کی حفاظت کی ضمانت دی

جائے گی جو اُن کی ملکیت میں ہے۔ اُن کی زمینوں اور کلیساؤں کو برقرار رکھا جائے گا۔ اور عزت کو ہر طرح بحال رکھا جائے گا۔ اُن پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اور اُنہیں کامل مذہبی آزادی رہے گی۔"

اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظمؓ شہر کے سب سے بڑے کلیسا، "کنیسۂ قمامہ" کا معائنہ فرما رہے تھے، نمازِ عصر کا وقت آ گیا۔ پادریوں نے وہیں نماز ادا کرنے کی درخواست کی۔ لیکن آپؓ نے قبول نہیں کی۔ کلیسا سے باہر آ کر سڑھی پر تنہا نماز ادا فرمائی۔

وہاں کے بڑے پادری سے ارشاد فرمایا کہ اگر میں تمہارے کلیسا میں نماز پڑھ لیتا تو آئندہ اندیشہ تھا کہ مسلمان، اس پر قبضہ کر کے مسجد بنا دیتے۔ اس ارشاد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس زینہ کے تعلق سے بھی ایک تحریر، بڑے پادری کے حوالے فرمائی۔ جس میں مسلمانوں کو ہدایت درج تھی کہ یہاں اذاں دی جائے نہ نماز پڑھی جائے۔!!!

پادریوں کے مشورہ سے مقامِ "صخرہ" جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا، مسجد بنانے کے لیے منتخب فرمایا۔ وہاں مٹی، کچرا جمع ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے ہاتھ سے اپنے دامن میں بھر بھر کر اُٹھانا شروع کیا، سب حاضرین نے بھی اس کام میں حصہ لیا، تھوڑی ہی دیر میں جگہ صاف ہو گئی وہاں مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک بھی موجود اور "مسجدِ عمر" کے نام سے مشہور ہے۔

ایسے کئی معاہدات، کتبِ تاریخِ اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ یہ معاہدات کسی مجبوری سے نہیں بلکہ فتحِ کامل کے بعد کیے گئے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ لوٹ مار کے لیے یا ملک و دولت حاصل کرنے کے لیے یا غیر مذاہب کا نام و نشان مٹانے کے لیے یا مذہبِ اسلام کی جبریہ اشاعت کے لیے تلوار نہیں اٹھائی گئی تھی۔!!!

غرض آیات و احادیثِ شریفہ اور عملِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے جبر و اکراہ اور اقدامی جنگ جائز نہیں ہے۔ احادیث و روایات سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے تبلیغِ اسلام کے لیے کبھی اقدامِ جنگ کیا ہو، یا کسی کو جبر و اکراہ سے مسلمان بنایا ہو۔!!!! حضرت رسول اللہ ﷺ کے "غزوات" کے جتنے واقعات ہیں، اُن کے اسباب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اُن سب کا بنیادی سبب، مدافعت ہی رہا ہے۔ کیونکہ مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کے باوجود، آپؐ کا آپؐ کی جماعت کا آپؐ کے دینِ اسلام کا خاتمہ کر دینے کی کئی طریقوں سے کوششیں مسلسل جاری رہیں۔ جہاں، جس نوع کا فتنہ برپا کیا گیا، اُس کی نوعیت کے لحاظ سے مدافعت کی گئی۔

جنگِ "بدر"، جنگِ "اُحد"، جنگِ "احزاب" تین بڑی جنگیں جو ہوئی ہیں وہ بھی مدافعانہ تھیں کیونکہ مکہ والوں نے مدینۂ منورہ کی طرف چڑھائی کی تھی، اس کا بین اور فیصلہ کن ثبوت یہ ہے کہ مقامِ "بدر" کا فاصلہ مکۂ معظمہ سے ایک سو بیس (120) میل اور مدینۂ منورہ سے اَسی (80) میل ہے۔ اور مقامِ "اُحد" کا فاصلہ مکۂ معظمہ سے ایک سو اٹھائیس (128) میل اور مدینۂ منورہ سے تین میل ہے "جنگِ احزاب" میں تو کفارِ عرب کی کل قوموں نے مل کر چڑھائی کی تھی۔ اسی لیے اس لڑائی کو "جنگِ احزاب" کہا جاتا ہے۔

فتحِ مکہ کے واقعہ سے بھی اقدامِ جنگ کا نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ جنگ بھی عہد شکنی کے خلاف، مدافعت کے لیے کی گئی تھی۔ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ حج کے لیے سفر کیا تو آپؐ کو "حدیبیہ" کے مقام پر روک دیا گیا۔ بعض شرائط کے ساتھ، اس شرط پر صلح ہو گئی کہ آئندہ سال آپؐ کو حج کا موقع دیا جائے گا۔ جب دوسرے سال آپؐ حج کے لیے تشریف لائے تو کفار و معاندین نے پھر آپؐ کو "حدیبیہ" کے مقام پر روک دیا۔ اس لیے معاہدہ و اقرار کو توڑنے کا مواخذہ ضروری ہوا۔

صَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ یعنے اللہ کے راستہ میں رُکاوٹ پیدا کر دینا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا بھی اسبابِ جنگ میں داخل ہے۔ اگر جنگ کی قوت نہ ہو تو ہجرت لازم ہو جاتی ہے۔

جس زمانہ میں قوت نہیں تھی، آپؐ نے مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جب قوت حاصل ہوئی تو آپؐ نے "اَلۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ" کی بھی مدافعت فرمائی۔!!! غرض فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ کا رُخ، جنگ کے لیے نہیں کیا تھا۔ یہ سفر حج کے لیے تھا۔ مکہ والوں نے جب عہد شکنی کی اور حقِ عبادت کی آزادی میں رُکاوٹ پیدا کر دی اور آمادۂ جنگ ہو گئے تو اُس کا مواخذہ جنگ سے ناگزیر ہو گیا۔!!!

فتح مکہ کے بعد آپؐ کا بے مثال رحم و کرم، عفو و حلم اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپؐ کا مقصد کفار و معاندین سے انتقام لینے کے لیے جنگ کرنا نہیں تھا ۔اور نہ یہ جنگ، تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے مقصد سے کی گئی تھی۔ ورنہ کوئی کافر، کوئی مشرک، کوئی معاند، فتحِ مکہ کے بعد قبولِ اسلام کے بغیر دامنِ امن و رحمت میں پناہ حاصل نہ کر سکتا۔!!!

لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ آیتِ شریفہ قرآنِ مجید کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ آیت، اہلِ کتاب کے لیے مخصوص ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف انصار کے لیے مخصوص ہے کیونکہ آیت کی شانِ نزول انصار ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ بعض نے تو اس آیت کو منسوخ ہی قرار دے دیا ہے۔

اِسی طرح "لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ" (سورۃ الکٰفرون۔6) (ہمارا دین ہمارے لیے اور تمہارا دین تمہارے لیے) اور "لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۔الخ (سورۃ القصص۔55) (ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے) وغیرہ کئی آیاتِ شریفہ کے بارے میں ایسے ہی خیالات پائے جاتے ہیں، یہ سب آیاتِ قتال سے منشائے الٰہی کو ٹھیک طور پر سمجھنے سے قاصر رہنے کے نتائج ہیں۔

تعجب ہے کہ ایسی صاف و صریح، بین و محکم آئیہ شریفہ کی تفسیر میں بھی بعض لوگوں نے غیر مطابق تاویلات اختیار کیں۔ بعض لوگوں نے اس آئیہ شریفہ کو اس کی شانِ نزول سے مخصوص جو قرار دیا، وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت کے الفاظ عمومیت پر دلالت کر رہے ہیں۔

اس لیے اس کا حکم اُن تمام صورتوں پر منطبق ہو گا جن کی نوعیت، اس شانِ نزول سے مماثل ہو، ورنہ قرآنِ مجید کے ہر حکم کو اس کی خاص شانِ نزول سے مخصوص کر دیا جائے تو دینِ اسلام کی "افادیتِ عامہ" باقی نہ رہ سکے گی۔

حالانکہ آیات، احادیث و روایات کی روشنی میں لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ کی جو تفسیر و تفہیم کی گئی ہے، اس سے صاف ظاہر ہو چکا کہ خدا اور سولؐ کے احکام اور عملِ رسولؐ و عملِ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی کسی کو مسلمان بنانے کے لیے جبر کیا گیا اور نہ تلوار اٹھائی گئی، بلکہ معاہدہ کرنے والے، جزیہ دینے والے اور فتنہ سے باز رہنے والے مشرکین و کفار کے ساتھ حسنِ سلوک کی بے شمار مثالیں، تاریخِ اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حتّٰی کہ فتحِ مکہ کے موقع پر دینِ اسلام کے سخت ترین دشمنوں اور مخالف فوجوں کے سرغنوں کو بھی نہ صرف عام معافی بخشی گئی بلکہ سایۂ امن و رحمت کے فیضان سے بھی مشرف کیا گیا۔

جن لوگوں نے اس آئیہ شریفہ کو منسوخ قرار دیا یہ آیاتِ قتال سے تطبیق دینے میں اُن کے قاصر و عاجز رہنے کی دلیل ہے۔ اگر یہ آیت منسوخ ہوتی تو اس پر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل شاہد نہ ہوتا۔

غور کا بلکہ حیرت و عبرت کا مقام ہے کہ قرآن کی جن آیات کو منسوخ کہا جاتا ہے، اُن آیات کو قرآن میں باقی بھی رکھا جاتا ہے؟!!!!

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن کی ہر آیت اور اُس کے ہر لفظ و حرف پر کلام اللہ ہونے کا اعتقاد، ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کی ترتیب کو "لوحِ محفوظ" کی ترتیب کے بالکل مطابق تسلیم کیا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے خصوصیاتِ قرآن کے ذیل میں لکھا ہے:-

هٰكذاهو عندالله فی اللوح المحفوظ علٰی هٰذا الترتیب (الا تقان فی علوم القرآن الجزءالاول)

ترجمہ:- قرآن، اللہ کے پاس بھی "لوحِ محفوظ" میں اسی ترتیب پر ہے۔

نیز لکھا ہے:-

قال ابن الحصار ترتیب السور و وضع الآیات انما كان بالوحی (الا تقان فی علوم القرآن الجزء الاول)

ترجمہ:- ابنِ حصار نے کہا کہ سورتوں کی ترتیب اور آیات کا رکھا جانا، صرف وحی کے ہی ذریعہ تھا۔

مولف "اشعتہ اللمعات" نے لکھا ہے:-

ثابت شدہ است کہ ترتیبِ قرآن بوحی است و آں نیز مُنَزّلؒ است و جبرئیل در وقتِ انزال می گفت کہ ایں سورہ را بعد از فلاں سورہ باید نہاد و ایں آیت را در فلاں موضع باید نہاد و اجماع نیز بر آن انعقاد پذیرفت۔ (اشعتہ اللمعات جلد 1)

ترجمہ:- ثابت ہو گیا ہے کہ قرآن کی ترتیب "وحی" کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اور ترتیب بھی (منجانب اللہ) نازل کی گئی ہے۔ جبرئیلؑ، نزول کے وقت کہتے تھے کہ اس سورہ کو فلاں سورہ کے بعد اور اس آیت کو فلاں جگہ رکھنا چاہیے۔ اور اس پر اجماع منعقد ہوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ "لوحِ محفوظ" میں قرآن جس ترتیب میں تھا، اِس دنیا میں نزول کے وقت بھی اُس کی ہر سورۃ اور ہر آیت کی ترتیب بھی "بذریعۂ وحی"، اسی طرح ہوئی ہے۔ اور اس پر اجماع کا اتفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام ہونے کے بعد قرآن کی کسی آیت کی شان میں وہ اُمور کیسے منسوب کیے جاسکتے ہیں، جو صرف انسان ہی کے کلام کے لوازم میں داخل ہیں؟!!!

قرآن سے پہلے، توریت، زبور، انجیل وغیرہ کتب اور دیگر صحفِ الٰہیہ جو نازل ہوئے، وہ بھی سب کلامِ الٰہی تھا۔ آدم علیہ السلام سے حضرت رسول اللہ ﷺ تک جتنے انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے، اُن کے ذریعہ "دینِ اسلام" کی تعلیم اور احکام کا "تدریجی ارتقاء"، حکمتِ الٰہی اور کلامِ الٰہی سے ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کے نزول سے "دینِ اسلام" کامل ہو گیا۔ اسی لیے حضرت محمدؐ کو خاتم الانبیاء کہا جاتا ہے ﷺ۔

لیکن پہلے کی اہلِ کتاب اُمتوں نے اپنے نبی کے بعد کے زمانوں میں اپنے منشاء و خیالات کے مطابق اُن کتبِ الٰہیہ کے الفاظ و معانی میں بہت کچھ ردوبدل کر دیا۔ جس کی وجہ سے دینِ اسلام کی روح یعنے توحید اور بنیادی اعمالِ صالحہ کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآن اُن تمام تحریفات و اختراعات کا ناسخ ہے۔ پھر خود خدا کے آخری کلام یعنے قرآن کی آیتیں، جن کے ہر لفظ اور ہر حرف کی حفاظت خدا نے ہی کی ہو، کیسے منسوخ ہو سکتی ہیں۔؟!!!

حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، آیاتِ قرآنی میں تاویلاتِ بعیدہ، باردہ، و باطلہ کا زور بڑھتا گیا، لیکن قرآن کے الفاظ میں کوئی ردوبدل نہ ہو سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا تھا۔

غلط تاویلات کی تصحیح اور لقاءِ رب و بصیرۃ کے لیے شریعت سے وابستہ، قریب ترین صحیح راستہ (صراطِ مستقیم) از سرِ نو بتلانے کے لیے مہدیٔ موعودؑ کی بعثت بھی مقدر تھی۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (پھر اس قرآن کا بیان ہم پر ہے) وعدۂ الٰہی کے مطابق حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی تو آپؑ کے ذریعہ خدائے تعالیٰ نے اُن تمام معانی و تاویلات کو رد کر دینے کی ہدایت فرمائی، جن سے قرآنِ مجید کے ربط و ترتیب پر ایمان رکھنے میں خلل واقع ہوتا ہو۔!!!

اسی طرح حضرت مہدیٔ موعود مراد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی بلاواسطہ تعلیم سے قرآن کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کی بھی نفی فرمادی ہے۔

ہیچ آیتِ قرآن منسوخ نیست۔ (نقلیاتِ میاں عبدالرشید مع ترجمہ و توضیحات)

ترجمہ:- قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

"انصاف نامہ" کے باب ہفتم میں یہ روایت حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے:-

نقل است از بندگی میاں سید خوندمیرؓ کرات و مرات فرمودند که حضرت میراں علیه السلام در قرآن ہیچ آیت منسوخ نداشته اند

ترجمہ:- بندگی میاں سید خوندمیرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے کئی بار فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں رکھا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے حضرت مہدی علیہ السلام کے فرمان سے بارہا تاکید کے ساتھ اس مسئلہ کی تفہیم فرمائی ہے۔ کیونکہ نسخِ آیات کا مسئلہ عالمِ اسلام میں مشہور اور علمائے متقدمین و متاخرین میں مابہ البحث رہا ہے۔

افسوس کہ مولفِ "ہدیہءِ مہدویہ" نے آیاتِ قرآن کو منسوخ نہ ماننے کو محض جذبۂ عناد سے بدخلقی قرار دیا ہے۔ حالانکہ کلامِ الٰہی کو منسوخ قرار دینے کی بجائے، آیات میں تطبیق کی کوشش کو اُولیٰ اَحسَنَ تسلیم کرنا، شانِ کلامِ الٰہی اور شانِ ایمان کا عین اقتضا ہے۔!!!

مولفِ "ہدیہءِ مہدویہ" نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ آیات کو منسوخ قرار دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ متقدمین (500) آیتوں کے منسوخ ہونے کے قایل ہیں۔ اور جلال الدین سیوطیؒ نے بمتابعتِ قاضی ابوبکر بن العربی منسوخاتِ سلف میں سے مُنَقَّح کرکے (20) آیات کو منسوخ ٹھیرایا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی نے اس میں تنقیح و تفتیش کرکے کل پانچ (5) آیات منسوخ ٹھیرائی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ خود علمائے اسلام میں اختلاف واقع ہے۔ جس طرح (500) پانچ سو سے صرف (5) پانچ آیات کا منسوخ ہونا تسلیم کیا گیا ہے، اُسی طرح اُن پانچ آیات کے بھی غیر منسوخ ہونے کی تحقیق ناممکن و محال ہونے پر کوئی دلیلِ قاطع پیش نہیں کی جاسکتی۔!!!

علامۂ شریعت و طریقت عارف باللہ حضرت میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالۂ "ناسخ و منسوخ" میں (42) سوالات میں پیش کردہ آیات کے جوابات میں تطبیق دے کر ثابت کیا ہے کہ اُن آیات کو منسوخ قرار دینا غلط ہے۔ سوالات کے جوابات ختم کرتے ہوئے آپؒ نے تحریر فرمایا ہے:-

اکنوں اے عزیزانِ دیندار و اے دوستانِ تقویٰ شعار! بعد از ثبوتِ نقلِ مہدی علیه السلام در منسوخ اختلافاتِ علماءِ تفسیر دربیانِ آیات مذکوره و قول بعضے مجتہداں و مفسراں بعدمِ جوازِ نسخ احکامِ آیات متلوه مارا می رسد که بگوئیم که در قرآن ہیچ آیتے متلوه نیست که در جمیع اوقات بہمه وجوہٗ حکمِ آں آیت منسوخ باشد۔ تابدیں اعتقاد جاہل و مبتدع باشیم بتفکر سخن باید

گفت نہ برتغلیب شرطِ خرد مندی آنست کہ در ہر باب رشتۂ انصاف ازدست نہ گذارد لان الدین کلہ انصاف۔ (رسالہ دربحث ناسخ و منسوخ)

ترجمہ:- اب اے عزیزانِ دیندار! دوستانِ تقویٰ شعار! مہدی علیہ السلام کی نقل کے ثابت ہو جانے اور آیاتِ مذکورہ کے بیان میں علمائے تفسیر کے اختلافات اور نسخِ احکامِ آیاتِ متلوہ کے عدم جواز کے بارے میں بعض مجتہدین و مفسرین کے اقوال واضح ہو جانے کے بعد ہم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی آیتِ متلوہ ایسی نہیں ہے کہ تمام اوقات میں اور تمام وجوہ سے اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہو۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ ہم جاہل و بدعتی ٹھیریں۔ غلبہ کی بناء پر نہیں بلکہ غور و فکر کے بعد بات کہنی چاہیے، عقلمندی کی شرط یہی ہے کہ ہر باب میں انصاف کے رشتہ کو چھوڑا نہ جائے، کیونکہ دین سراپا انصاف ہے۔

اس عبارت میں "تغلیب" کے لفظ کا اشارہ اس جانب ہے کہ اُس زمانہ میں اکثر علماء کو حکومت میں رسوخ حاصل رہتا تھا۔ مسلم بادشاہتیں عموماً بعض علماء کے مشوروں کے تابع ہوتی تھیں۔ اس لیے اہل اللہ و اہلِ حق کو ان علماء کی رعونت اور اُن کے غلبۂ رسوخِ حکومت سے اذیتیں پہنچتی تھیں۔ جس کو چاہتے بلا تحقیق و تفحص جاہل، بدعتی، ملحد، کافر، اور واجب القید والقتل قرار دیتے اور حکومت کی قوت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے نفسانی جذبات کی تسکین جس طرح چاہتے حاصل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ خود حضرت علامہ میاں شیخ مصطفیٰ گجراتی علیہ الرحمۃ پر جو جو مصائب و مظالم ڈھائے گئے کتبِ تواریخ میں اس کی درد انگیز تفصیلات موجود ہیں۔

حالانکہ آپؒ ایسے اہل اللہ و عارف باللہ تھے کہ آپؒ کو ماسوی اللہ سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ چنانچہ مذکورۃ الصدر عبارت کے بعد ہی آپؒ نے جو تحریر فرمایا ہے اس سے آپؒ کی مسکینی اور فقیرانہ شان کا ہر اہلِ نظر بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

دوستانِ پریشانِ حال و یارانِ شکستہ بال محقق و مقرر دانند کہ بواسطۂ ضرورت دریں بحث و سخن مرقوم شدہ است وگرنہ فقیر کجا و بحثِ علمہ کجا فقیر را کارے درپیش است و بارے برپشت کہ فکرآں کاردہول آں باردرروزے صد باربلکہ صد ہزاربار کمر بشکنند عقل و ہوش را بتاراج می دہد چنانچہ کارے افتادہ می گوید۔

ترجمہ:- دوستانِ پریشان حال و شکستہ بازو بہ تحقیق یقین کریں کہ اس (مسئلہ ناسخ و منسوخ) میں ضرورۃً بحث و گفتگو کی گئی ہے۔ ورنہ یہ فقیر کہاں اور علمی بحث کہاں؟ اس فقیر کے سامنے ایک بڑا کام ہے اور پیٹھ پر بھاری بوجھ ہے۔ اس کام کی فکر اور اس بوجھ کی دہشت ایک دن میں سو بار بلکہ ہزار بار اس فقیر کی کمر توڑتی ہے۔ اس فقیر کی عقل و ہوش کو تاراج کرتی ہے۔ چنانچہ وہ شخص جس پر ایسے کام کا بوجھ پڑا تھا کہتا ہے:-

رباعی، ترجمۂ رباعی

تا یک سر موے در تو ہستی باقیت ☆☆☆ جب تک ایک بال کے برابر بھی ہستی (خودی)

ایمن منشیں کہ بت پرستی باقیت ☆☆☆ تجھ میں باقی ہے بے فکر مت بیٹھ کیونکہ بت پرستی

گفتی بت و زنار شکستم رستم ☆☆☆ باقی ہے تو نے کہا کہ بت اور زنار توڑ دیا اور نجات

آں بت کہ تو زنار شکستی باقیت ☆☆☆ پائی وہ بت کہ جس کا زنار تُو نے توڑا، باقی ہے

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ○
آمین ثم آمین۔

غرض قرآنِ کریم کی آیات کو منسوخ ٹھیرانے کا راستہ جو اختیار کیا گیا، اس کی بنیاد قرآنِ مجید کی یہ آئیہ شریفہ ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا ط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿106﴾
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿107﴾
(سورۃ البقرہ)

ترجمہ:-اور جو منسوخ کر دیتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں اُس کو تو نازل کر دیتے ہیں اس سے بہتر یا اُس کے جیسی (اے محمدؐ) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں (اے محمدؐ) کہ اللہ ہی کے لیے آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے اور اُس کے سوائے کوئی تمہارا ولی و مددگار نہیں ہے۔

"نسخ" مصدر اور باب فَتَحَ یَفْتَحُ ہے۔ اس کے معنی زایل کرنا، بدل دینا، بے کار کر دینا، ہیں۔ مولانا شمسی مہدویؒ نے اپنی تفسیر بزبانِ عربی موسوم بہ "لوامع البیان" میں "نسخ" کی تحقیق یہ بیان کی ہے:-

"نسخ" کا لفظ عربی زبان میں "ابطال" اور "ازالہ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ " نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ " (آفتاب نے سایہ زایل کر دیا) " نَسَخَتِ الرِّیْحُ آثَارَ الْقَدَمِ " (ہوا نے قدموں کے نشان باطل کر دیئے، میٹ دیئے) "نقل" اور "منتقل" کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ " نَسَخَ الْکِتَابُ " (کتاب میں جو کچھ ہے آخر تک نقل کیا گیا) " نَسَخَتُ النَّحْلُ " (شہد کی مکھی ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوئی) تقسیمِ موارث میں "منا سخہ" کی اصطلاح کے معنی بھی یہی ہیں۔ کیونکہ مورث کا مال وارث کو منتقل کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد بعض مفسرین کی آراء بیان کی گئی ہیں جن میں قرآن کی آیات کو ابطال و ازالہ کے معنوں میں منسوخ قرار دینے پر استدلال کیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف علامہ شمسیؒ نے آیات کا غیر منسوخ ہونا ثابت کیا ہے۔ اس بحث کا ترجمہ ملخصاً درج کیا جاتا ہے:-

"میں کہتا ہوں کہ احکام و شرایع سب قدیم، ازلی ہیں۔ ان میں تجدد و حدوث کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت اللہ کا کلام ہے۔۔ جب اللہ کے کلام کا قدیم ہونا ثابت ہے تو اس کا حادث ہونا ممتنع ہے۔ پس اس کے باطل و مرتفع ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اُن احکامِ قدیمہ کا تعلق، مکلفین سے بھی ہوتا ہے (جیسے کہ قرآن کتاب کی صورت میں ہے اور آدمی کی زبان سے متلفظ ہوتا ہے) اگرچہ کہ یہ تعلق حادث ہوتا ہے۔ لیکن اس تعلق کو ذواتِ احکام و حقائق میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان احکام کے معانی قدیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں۔ مکلفین کے تعلق کے حدوث سے اُن معانیِ قدیمہ کا حدوث لازم نہیں آتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات، مبدائے حوادث ہونا لازم آئے گا اور قطعاً باطل ہے۔" پس شیخ ابن اکاجب اور علامہ عفدی نے جو راستہ اختیار کیا ہے باطل ہے۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ کسی چیز کا باطل یا زایل ہونا، اس کے فساد اور عدم حکمت پر دلالت کرتا ہے۔ نعوذ باللہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا کلام فاسد یا حکمت سے خالی ہے۔"

جب اللہ سبحانہٗ نے فرمایا کہ بے شک اللہ کا کلام حق ہے جیسا کہ اپنی کتاب قرآنِ مجید میں فرمایا ہے۔

وَ لَا یَاْ تُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ۔۔الخ﴿33﴾ (سورۃالفرقان)

ترجمہ:-وہ لوگ تمہارے پاس ویسا کلام نہیں لا سکیں گے جیسا کہ ہم نے کلامِ حق تمہارے پاس لایا ہے۔

پس کلام اللہ کا باطل ہونا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کی شان میں فرمایا: وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی﴿3﴾ اِنْ هُوَا اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴿4﴾ (سورۃالنجم)

یعنے اور رسول ﷺ وہی بیان کرتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔ اور وہ قرآن "ہویٰ وفساد سے خالی ہے۔

بلاشبہ جب کہ منسوخ، باطل وفاسد ہوتا ہے اور کلام اللہ کو منسوخ کہا جائے تو کلام اللہ کو باطل وفاسد قرار دینا لازم آئے گا، اور یہ قطعاً باطل ہے۔ لہٰذا ایسی تفسیر جس میں "نسخ" کے معنی ابطال وازالہ کے ہوں، قطعاً باطل ہے۔

نیز یہ کہ حکمِ سابق کا ابطال مراد لی جائے تو اس کی دو صورتیں ہونگی۔ اللہ تعالیٰ پر اس کلام کی حکمت پہلے سے ظاہر ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں کیونکہ پہلی صورت میں "ابتداء" لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں کلام بے حکمت وعبث ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ پس ابطالِ حکم محال ہے۔

شیخ ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی مصلحت ہم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ یعنے وہ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے حکم دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ، حکیم وعلیم ہے۔ اس کا کوئی، فعل ایسا نہیں ہوتا جس میں حکمت نہ ہو، اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا، جس میں مصلحت نہ ہو، اگرچہ کہ ہم اس کی حکمت کے دقایق اور اس کی مصلحت کے حقایق کو نہ سمجھ سکیں۔ یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اُس کے ارادہ وافعال کی نسبت، حکمت ومصلحت سے خالی ہونے کا اعتقاد رکھیں۔

پس صحیح یہی ہے کہ پہلا حکم جس کو مفسرین نے منسوخ قرار دیا ہے اُس کی بجائے اس حکم کو دوسرے سبب سے مقید اور کسی وقت سے موقت قرار دیا جائے۔ جب وہ وقت گزر جائے گا اُس وقت دوسرا حکم اس سے بہتر یا اُس کے مثل، مکلفین سے متعلق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان:-

نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ط (سورۃالبقرہ۔106)

ترجمہ:-(ہم اس سے بہتر یا اس کے مثل نازل کرتے ہیں)

سے یہی مراد ہے۔ جیسا کہ مریض کو ایک دوا پلائی جاتی ہے، جو ایک وقت فائدہ بخش ہوتی ہے۔ اُس وقت کے بعد مریض کو پہلے سے زیادہ نفع بخش دوسری دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ وقت گزرنے اور حالات کے بدلنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس قرینی استدلال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کسی سبب سے ایک حکم کی مقتضی ہوتی ہے، اس کے بعد دوسرے حکم کی مقتضی ہوتی ہے۔ اس پر ابطال کا اطلاق درست نہیں ہو سکتا۔

البتہ "نسخ" بمعنی نقل وتبدیلی، قرآن میں موجود ہے۔ لیکن ازالہ وابطال کے معنوں میں قرآن کی کسی آیت پر "نسخ" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مفسرین نے جن آیات کو منسوخ قرار دیا اُن آیات کے حکم کا منتہی ایک مقررہ وقت ہوتا ہے۔ جب وہ وقت گزر جائے تو دوسرا حکم اُس سے بہتر یا اُس کے مانند نازل ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ مہدی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس سے آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی مراد ظاہر فرمائی کہ ابطال وازالہ کے معنوں میں کسی آیت کو منسوخ کہنا، غلط ہے۔ کیونکہ کلام اللہ حق بحث اور نورِ محض ہے۔ (لوامع البیان الجزالاول صفحہ 203)

اس بحث سے ظاہر ہے کہ "نسخ" کے معنی نقل لیں تو اِن معنوں کے لحاظ سے پورا قرآن، منسوخ ہے، کیونکہ "لوحِ محفوظ" سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن اِس آیت میں نسخ کے لفظ سے یہ منشاء نہیں ہے۔ تبدیل کے معنی سے بھی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَاط اس پر شاہد ہے۔ لیکن خدا کے کلام کو باطل وزایل قرار دینا، کسی جہت سے درست نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے کہ اس سے قرآن مربوط ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔

مذہب مہدویہ کا مدعاء یہ ہے کہ قرآن کی آیات کو منسوخ قرار دیا جائے تو قرآن کے مربوط اور لوحِ محفوظ کی ترتیب پر مرتب ہونے کا اعتراف و اعتقاد بے معنی ہو جاتا ہے۔!!!

بنیادی بات یہ ہے کہ آیات کے مورد خاص اور حکم عام ہوتا ہے۔ جب کبھی آیت کے "مَوْرَدْ" سے وقت اور حالات کی مطابقت ہو جائے گی اس آیت پر عمل کیا جاسکے گا۔ اور شانِ کلام اللہ و شانِ ایمان باللہ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ آیات میں تطبیق دینے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ بصورتِ مجبوری، منسوخ قرار دینے کی بجائے اپنے علم و فہم، ادراک و تعقل کو قاصر قرار دینا، ہم امن و سلامتی کی راہ سمجھتے ہیں۔ اور اس سے عمل میں کوئی حرج بھی واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ بلحاظِ وقت وحالات متبادل آیات میں سے جس آیت پر ممکن ہو عمل کیا جاسکتا ہے۔

آیات کے منسوخ ہونے اور بھلادیئے جانے کے بارے میں بعض روایات بھی ملتی ہیں۔ مثلاً علامہ بغویؒ نے "المعالم" میں یہ روایت بیان کی ہے:

"حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ راوی ہیں کہ رات کو کچھ صحابیؓ ایک سورت پڑھنے کے لیے نماز میں کھڑے ہوئے، لیکن بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سوائے سورۃ کا کوئی حصہ یاد نہ ہوا۔ لوگوں نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا وہ سورۃ، مع تلاوت و احکام اٹھالی گئی ہے۔

علامہ بغویؒ کی درج کردہ بعض اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ "سورۂ احزاب"، "سورۂ بقرہ" کی طرح (طویل) تھی لیکن اس کا اکثر حصہ مع تلاوت و احکام اٹھالیا گیا۔

علامہ مولانا میاں شیخ مصطفٰی گجراتی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالۂ "ناسخ و منسوخ" میں بعض روایات بیان کی ہیں:

وقال ابن زید فی تفسیر قوله تعالٰی : مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍمِّنْهَآ اَوْمِثْلِهَا ط فلا یبقٰی لها ما یتلٰی ولا حکم یلزم کما روی ان طائفة من الصحابة تعلموا سورة اوآیة فارادوا ان یقروها فلم یقدرو ا علیه و ربما وجدوا الورقة البیضاء فاخبرو ابدالک رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انها نسخت او رفعت بالبارحة و فی شرح المناروی انه علیه السلام فرونی صلوٰتهٖ سورة المؤمنین فضی آیة فلما اخبربه قال الم یکن فیکم اُبَیٌّ فقال ابی بلٰی فقال هٰذا ذکرتها فقال طتت انها نسخت فقال لو نسخت لا خیرتکم (رسالهءِ بحثِ ناسخ و منسوخ)

ترجمہ:- ابنِ زید نے اللہ کے قول مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْمِثْلِهَاط (منسوخ جو کر دیتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلادیتے ہیں تو نازل کر دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے مثل) کی تفسیر میں یہ کہا کہ نہیں باقی رہتی ہے اس کے لیے وہ چیز جو تلاوت کی جائے اور نہ (باقی رہتا ہے وہ) حکم جو لازم آئے۔ چنانچہ روایت ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے ایک سورہ یا ایک آیت سیکھی پھر اس کو پڑھنے کا ارادہ کیا تو پڑھنے پر قادر نہ ہوسکے اور کبھی انہوں نے ورق کو سفید پایا۔ اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ منسوخ ہو گئی یا یہ فرمایا کہ

گزشتہ رات میں اٹھالی گئی اور "شرح المنار" میں روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی نماز میں سورۂ مومنین پڑھی۔ اور اس میں سے ایک آیت بھول گئے۔ جب آپؐ کو معلوم کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم میں "اُبیؓ" نہیں تھے۔ ابیؓ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ میں تو حاضر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ آیت تو تم نے یاد کی ہے۔ ابیؓ نے عرض کیا میں نے گمان کیا کہ وہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اگر وہ منسوخ ہو جاتی تو میں تم کو معلوم کر دیتا۔" (رسالۂ بحثِ ناسخ و منسوخ)

ان روایات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جو احکام اٹھا لیے گئے یا جو آیات بھلا دی گئیں، اُن سے بہتر یا اُن کے مثل نازل کی گئی ہیں۔ اس واقعہ کی خبر کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَاط (سورۃ البقرہ۔106)

ترجمہ:- ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُس کے مانند دوسری نازل کرتے ہیں۔

اس کا تعلق ان آیات سے نہیں ہے جو "لوحِ محفوظ" کے قرآن میں موجود ہیں۔ اس دنیا میں جو قرآن نازل کیا گیا، چونکہ "لوحِ محفوظ" کے قرآن کے بالکل مطابق ہے۔ اس لیے اس قرآن میں جو آیات موجود ہیں وہ سب غیر منسوخ و غیر منسیٰ ہیں۔!!!

قادرِ مطلق کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ "لوحِ محفوظ" میں جو قرآن موجود تھا، اُس کی نقل، مطابق اصل جبرئیلؑ کے ذریعہ اِس دنیا میں نازل و محفوظ ہو جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ لوحِ محفوظ کے سوائے خود اپنے دوسرے کلام کو بھی قرآنِ منزل میں شامل نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیثِ قدسیہ بھی شاملِ قرآن نہیں ہوئی ہیں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کی شان میں ارشاد ہوا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴿3﴾ اِنْ هُوَا اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴿4﴾ (سورۃ النجم)

ترجمہ:- رسولؐ جو بولتے ہیں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ وہی بولتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔

"مَا يَنْطِقُ" کے الفاظ عمومیتِ تامہ پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس لیے کلام اللہ ہو یا احادیثِ رسول اللہ ﷺ، آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات "وحی" ہے۔ یہ وحی، فرشتہ کے ذریعہ ہوئی یا بلاواسطہ!!

آپؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی جس بات کا "کلام الٰہی" ہونا ظاہر فرمایا، وہ قرآن کی حیثیت سے جمع و محفوظ ہو چکا۔ جس پر ایمان و اعتقاد ہر مؤمن کے لیے قیامت تک فرض ہے۔ اور احادیثِ قدسیہ و احادیثِ رسول اللہ، جو کلام کہ ماسوائے قرآن تھا۔ اس کا کوئی فقرہ یا کوئی لفظ قرآنِ مجید میں شامل نہیں ہوا۔

لہٰذا بھلا دیئے جانے یا منسوخ کیے جانے کا تعلق اُن آیات سے نہیں ہے جو قرآنِ مجید میں موجود و محفوظ ہیں۔

اس لحاظ سے بھی قرآن میں جو آیات موجود ہیں اُن کو منسوخ قرار دینا، منشائے کلام اللہ کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذکورۃ الصدر احادیثِ شریفہ سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ جو آیات اُٹھالی جاتیں یا بھلا دی جاتیں، اُن کا زبانِ صحابۂ رسول اللہ ﷺ پر جاری ہونا، ممکن نہ ہوتا تھا۔ بلکہ آپؐ کے صحابہؓ کی یاد میں بھی باقی نہیں رہ سکتی تھیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر آیت منسوخ ہو جاتی تو تم کو معلوم کر دیتا"۔!!

اس ارشاد کی روشنی میں یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو آیت منسوخ ہو جاتی اُس کو قرآنِ مجید میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ اور نہ اُس کی تلاوت نماز میں کی

جاتی تھی۔ لہٰذا قرآنِ مجید میں منسوخ آیات یا ایسی آیات جو بھلادی گئی ہوں، موجود نہیں ہیں۔ اس لیے کسی آیت کو جو قرآنِ مجید میں موجود ہے، بمعنیِ ابطال و ازالہ، منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت کے لحاظ سے ثواب یا سہولت وغیرہ کے لیے آیات و احکام، بہتر سے بہتر نازل فرمائے ہیں جو کسی سبب سے "مقید" اور کسی وقت سے "مُوَقَّتْ" بھی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیاتِ قرآنِ مجید میں تطبیق سے قاصر رہنے کی صورت میں بعض لوگ آئیہ شریفہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ۔۔ الخ کا سہارا لے کر اُن آیات ہی کو منسوخ قرار دینے کی جانب مایل ہوگئے۔ لیکن جن آیات کو منسوخ قرار دیا گیا، اس کے ثبوت میں کوئی دلیلِ نصِ صریح نہیں پائی جاتی۔ یعنے اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان سے یہ تصریح ثابت نہیں ہوتی کہ قرآنِ مجید کی موجودہ آیات میں فلاں آیت منسوخ کردی گئی یا بھلادی گئی۔ اور اس کی بجائے فلاں آیت اس کے مثل یا اُس سے بہتر نازل کی گئی ہے۔ ایسی کوئی تخصیص و تعیین، خود کلامِ الٰہی میں موجود نہیں ہے۔ اس لیے کسی آیتِ قرآنِ مجید کو منسوخ قرار دینا، محض "ظنی" ہے۔!!!

علامہ شمسی مہدویؒ پروفیسر جامعہ عثمانیہ کے ہم سر رشتہ و صدیق، مشہور و معروف عالم و مشائخ، مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی پروفیسر شعبۂ دینیاتِ جامعہ عثمانیہ نے بھی قرآنِ مجید کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کی نفی کردی ہے: "فقیر، قرآن میں کوئی آیت کوئی حکم منسوخ نہونے کا قایل ہے۔ (تفسیر صدیقی جلد (1) صفحہ 147)"

اس بحث سے اظہر من الشمس ہے کہ مذہبِ مہدویہ کے بارے میں مولفِ "ہدیہ مہدویہ" نے ناحق، اِثم، ظلم و عدوان کا مظاہرہ کیا ہے۔!!!

حاصلِ کلام یہ کہ آیتِ قتال یا آیتِ جزیہ " لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ " کی مذہبی آزادی کے متعارض نہیں ہے۔ اس لیے اس آئیہ شریفہ کو منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے ان مفسرین کو یہ اندیشہ ہوگیا ہو کہ اس آیت کو منسوخ نہ قرار دیا جائے تو مشرکین و کفار کو قتل کرنا، جائز نہ رہ سکے گا۔ اس لیے عفو و رحم مذہبی آزادی اور حسنِ سلوک و رواداری کی آیات کو آیاتِ قتال سے منسوخ قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سے قبل واضح کیا جاچکا کہ آئیہ شریفہ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا۔۔۔ الخ (جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا تو اس کی جزاء جہنم ہوگی جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا) کو بھی منسوخ قرار دینا مبنی بر صحت نہیں ہے۔ آیاتِ قتال میں بھی ایسی ہی صورت در پیش ہوئی ہے۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿190﴾ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿191﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿192﴾ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿193﴾ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ:- اور قتل کرو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کو جو تمہیں قتل کرتے ہیں۔ اور حد سے نہ گزر جاؤ بے شک اللہ بے حدوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اور اُن کو تم جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور تم اُن کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ اور فتنہ (تو) قتل سے زیادہ سخت ہے۔ تم اُن سے مسجدِ حرام میں مقابلہ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ تمہیں اُس میں قتل کرنے لگیں۔ پس اگر وہ تمہیں قتل کریں تو تم (بھی) انہیں قتل کرو۔ کافروں کی جزاء تو ایسی ہی

ہے۔ اگر وہ (فتنہ) سے باز آجائیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔ اور اُن کو قتل کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور اللہ کا دین قائم ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی نہیں ہے۔ سوائے ظالموں کے۔

ان صاف و صریح آیات میں بھی ناسخ و منسوخ کی اُلجھن پیدا کی گئی ہے۔ "تفسیر لوامع البیان" میں مفسرین کی آراء جو بیان کی گئی ہے، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت " وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ " منسوخ ہے اُس کی ناسخ " وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " ہے پھر یہ آیت منسوخ ہے۔ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ سے اور وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ منسوخ ہے وَلَا تُقٰتِلُوْا ھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے۔ (لوامع البیان)

ان آیات کو مسلسل پڑھ کر اُن کے معانی و منشاء پر غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ آیات ایک ہی جگہ واقع ہیں۔ اور ایک آیت دوسری آیت سے مربوط ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے خیال کیا کہ ایک آیت دوسری کی متعارض ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں قتال کا حکم مشروط ہے۔ یعنے جو تم سے قتال کریں، اُن سے قتال کرو۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ مسجدِ حرام میں قتال مت کرو۔ اور ایک آیت میں ہے کہ مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اس لیے ناسخ و منسوخ کی جانب مائل ہو گئے۔ حالانکہ جب کلام اللہ میں تعارض محال ہے تو ناسخ و منسوخ کا مقدمہ قائم کرنا عبث ہے۔!!!

اس کے علاوہ اُن آیاتِ مذکورۃ الصدر ہی سے تعارض کا شبہ رفع بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی آیت میں جو حکم ہے کہ "جو تم سے قتال کریں تم اُن سے فی سبیل اللہ قتال کرو۔" اس حکم کا منشاء ہر آیتِ قتال میں موجود ہے۔ """مشرکین و کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو" سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر کسی وجہ و سببِ قتال کے، جو مشرک یا کافر جہاں نظر آئے اُس کو قتل کر دو۔ اس لیے کہ اسلام، ظلم و عدوان، جبر و قہر کا فتنہ برپا کرنے والوں کو عدل و انصاف کی راہ بتلانے والا ہے۔ خود اس میں کیسے ملوث ہو سکتا ہے؟!!!

غرض اُن آیات کا مفہوم صاف ہے کہ جو تم سے قتال کریں تم اُن سے قتال کرو۔ اور جہاں کہیں قتال کرتے ہوئے پاؤ اُن سے قتال کرو۔ " وَلَا تُقٰتِلُوْا ھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " کا مطلب یہ ہے کہ تم مسجد حرام میں جنگ کی ابتدا نہ کرو۔ اس کا بدیہی ثبوت خود اس آیت کے بعد ہی موجود ہے۔ پوری آیت ملا کر پڑھی جائے تو بات آسانی سے صاف ہو جاتی ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْا ھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ط کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿191﴾ (سورۃ البقرۃ)

ترجمہ:- مسجد حرام میں اس وقت تک قتال مت کرو جب تک اُس میں تم سے قتال نہ کریں۔ اگر تم سے (مسجد حرام میں بھی) قتال کریں تو تم اُن کو قتل کرو۔ کافرین کی ایسی ہی جزا ہے۔

اس سے مسجدِ حرام میں قتال نہ کرنے کا حکم بھی باقی ہے اگر کوئی وہاں بھی قتال برپا کرے تو بصورتِ مجبوری وہاں بھی اُس کی مدافعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن آیات میں تعارض کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

اسی لیے علامہ شمسی نے اُن آیات کو ایک دوسرے کی ناسخ و منسوخ قرار دینے کے بارے میں معقول و مدلل ایراد کیا ہے۔:-

لایلیق بشان الحکیم ان یجمع بین آیات متوالیۃ تکون کل واحدۃ منھا ناسخۃ للخریٰ لا ن ذالک یوجب التردد فی علم اللہ تعالٰی و تشبیہ علمہ بعلم الخلوق و ھومنزہ عنھا ولاصوب لھم ان

یختاروا القول بتوقیت الحکم و امضا ئه فی وقت معین فان ذالک لا یوجب النسخ (لوامع البیان الجز الثانی صفحه294)

ترجمہ:-یہ بات شانِ حکیم کے لایق نہیں ہے کہ ایک ہی سلسلۂ بیان کی آیات میں ہر آیت، دوسری آیت کی ناسخ ہو، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تردد ہونا، اس کے علم کو مخلوق کے علم سے تشبیہ دینالازم آتا ہے دراں حالیکہ وہ اس سے "مُنَزَّہ" ہے۔ حکم کی توقیت اور وقتِ معین میں اس کی تعمیل کا قول اختیار کرنے کے سوائے اُن کے لئے کوئی راہِ صواب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نسخ لازم نہیں آتا۔(لوامع البیان الجزالثانی صفحہ 294)

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے:-

ان ھٰذا الآیة دالة علی الامر بقتال من یقاتلنا لا کن ھٰذاالحکم ما صارمنسوخاً (تفسیر کبیر)

ترجمہ-بے شک یہ آیت وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ (سورۃالبقرہ۔190) اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو ہم سے قتال کریں ہم اُن سے قتال کریں لیکن یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔

لیکن ربیع ابن انس نے اس کے بر خلاف تفسیر کی ہے:-

وقال الربیع بن انس ھٰذه اول آیة نزلت فی القتال ثم امر به یقتال المشرکین کافة قاتلوا اولم یقاتلوا بقوله وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً فیکون قوله تعالٰی وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ بقاتلونکم منسوخا بھٰذه الآیة (لوامع البیان الجزالثانی صفحه293

ترجمہ:-ربیع بن انس نے کہا یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر حکم دیا اس کو تمام دنیا کے مشرکین کے قتال کا۔ خواہ وہ قتال کریں یا نہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً (سورۃالتوبہ۔35) (تمام دنیا کے مشرکین کو قتل کرو) سے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ (سورۃالبقرہ۔190) منسوخ ہو جائے گا۔

ربیع بن انس نے وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ (سورۃالبقرہ۔190) کو منسوخ اور وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً (سورۃالتوبہ۔35)

کو اس کی ناسخ جو قرار دیا ہے، بالکل غیر صحیح ہے۔ اس لیے کہ پوری آیت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس آیت کو منسوخ قرار دیا گیا ہے، اُس آیت کا منشاء اس آیت میں بھی موجود ہے جس کو ناسخ قرار دیا جارہا ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿36﴾(سورۃالتوبہ)

ترجمہ:-اور لڑو مشرکین سے ہر حال میں اور ہر جگہ جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں ہر حال میں اور ہر جگہ جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم فرمارہا ہے کہ مشرکین اگر جنگ کو اتنی وسعت دیں کہ ساری دنیا میں بھی جنگ کرنی پڑے تو اُن کے مقابلہ میں برابر ہر جگہ جنگ کی جائے۔ لیکن اس آیت کا یہ مطلب کیسے لیا جاسکتا ہے کہ مخالفینِ اسلام جنگ کریں یا نہ کریں پوری دنیا میں اُن کے قتلِ عام کا بازار گرم کر دیا جائے؟!!!اگر ایسا ہوتا تو فتحِ مکہ کے بعد کوئی کافر زندہ باقی نہ رہ سکتا تھا۔

اُن آیاتِ مذکورہ ہی کو ملا کر پڑھنے سے بھی اس بات کا بدیہی ثبوت ہو سکتا ہے۔

1- وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿190﴾ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ:-اور حد سے نہ گزر جاؤ۔بے شک اللہ بے حدوں کو پسند نہیں کرتا۔

2- وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔۔الخ (سورۃ البقرہ۔192)

ترجمہ:-اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

3- فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (سورۃ البقرہ۔192)

ترجمہ:-پس اگر وہ فتنہ سے باز آجائیں تو نہیں ہے زیادتی (کسی پر) سوائے ظالموں کے۔ان آیات سے ظاہر ہے کہ "وَقٰتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً " کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشرکین قتال کریں یا نہ کریں ساری دنیا کے مشرکین کو قتل کردو۔اس کے ثبوت میں اور کئی آیات اور عملِ رسول ﷺ و عملِ صحابہءِ رسول رضی اللہ عنھم کی کئی نظایر پیش کی جاسکتی ہیں۔

غرض منشائے الٰہی اور روحِ مذہبِ اسلام کے خلاف قتال وجہاد بالسیف کی آیات میں ایسی بھی تاویلاتِ بعیدہ وباطلہ کی وجہ سے غیر مسلم اہلِ علم وتنقید کو مذہبِ اسلام پر الزام عاید کرنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔

حالانکہ حکمِ جہاد بالقتال کی پہلی آیت وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (اور جو لوگ تم سے مقابلہ کریں تم بھی فی سبیل اللہ اُن سے مقابلہ کرو) کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ خود جنگ میں پہل نہ کریں۔بلکہ جنگ چھیڑنے والوں کے جواب میں جنگ کریں۔قرآنِ مجید میں جہاں، جہاں قتال بالسیف یعنے تلوار سے جنگ کرنے کی آیات ہیں، اُن سب میں مفہوم موجود ہے۔

حتّٰی کہ جو آیات بظاہر بلا استثناء عمومیت کی حامل نظر آتی ہیں، اُن میں بھی حکمِ جہاد بالقتال کی پہلی آیت کی شرط ضرور موجود ہے۔مثلاً:-

1- وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۔۔الخ (سورۃ البقرہ۔191) (اور اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو۔)

2- فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔۔الخ (سورۃ التوبہ۔5) (مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔)

3- وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ۔الخ ط (سورۃ التوبہ۔36) (اور روئے زمین کے مشرکین کو قتل کرو۔

4- فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط (سورۃ محمد۔5) (پس گردنیں مار دو۔)

ایسی تمام آیاتِ شریفہ کے سیاق وربطِ کلام میں ایسے الفاظ بھی ساتھ ساتھ ضرور شامل ہیں کہ جن سے ہدایتِ الٰہیہ کا وہ نکتہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے جو جہاد بالقتال کی پہلی آیت میں موجود ہے کہ جنگ میں پہل نہ کی جائے، بلکہ دشمنانِ دین جنگ عاید کردیں تو جواب میں جنگ ہو، اگرچہ کہ پوری دنیا میں جنگ برپا کردی جائے۔لیکن جنگ میں پہل نہ ہو۔!!!

کوئی آیت کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ حکم پایا جائے کہ مشرکین جنگ کریں یا نہ کریں اُن سے جنگ کرو۔یا تبلیغ واشاعتِ اسلام، تلوار کی مدد سے کرو۔اس کے برعکس اسلام میں جنگ کے آداب میں یہ بات بھی اہم ہے کہ مومنین وکفار کی فوجیں میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لیے صف آرا ہو جائیں تو اُس وقت بھی حکمِ جہاد کی پہلی آیت وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ کی خصوصیت پر اس حد تک عمل کیا جاتا ہے کہ جب تک مخالف افواج کی طرف سے پہل نہ ہو جائے مومنین کی افواج، جنگ کی ابتدا نہیں کرینگی۔اِتمامِ حجت کی آخری جدوجہد کے لیے اس نازک ترین منزل میں بھی سردارِ افواجِ مومنین، دعوتِ صلاح واصلاح کا اپنا دینی فرض ادا کرے گا۔تاکہ اس نوبت پر بھی جنگ نہ ہونے پائے اور بغیر

جنگ کے فتنہ رفع ہو جائے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں۔ اور بعد کے زمانہ میں میدانِ کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ سے جو جنگ ہوئی اُن سب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کی صف آرا افواج پر اور اُن کے سرداروں پر تقریر کے ذریعہ پہلے تنبیہ و نصیحت کی گئی۔ اپنے بے قصور و برحق ہونے کے دلایل پیش کیے گئے۔ اگر جنگ ہو جائے تو اُس کے نتائج و عواقب دنیا و آخرت میں جو ہو سکتے ہیں، بیان کیے گئے تا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے، آخری منزل میں بھی ایک مرتبہ اور اتمامِ حجت ہو جائے۔ اس طرح مہدویوں کو بھی جب کبھی دین کے تحت جنگ کا سابقہ ہوا تو انہوں نے کبھی اور کسی صورت میں بھی اپنی طرف سے پہل نہیں کی ہے۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے بھی میدانِ جنگ میں خود اقدامِ جنگ نہیں فرمایا بلکہ اتمامِ حجت کے لیے آپ نے تو پہلے اپنے گھوڑوں کا رخ پھیر لیا تھا۔ اس کے باوجود، دشمنانِ دین کی افواج نے حملہ کر دیا۔ اور " نعرۂ تسبیح "بلند فرمایا:-

لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

اَللّٰہُ اِلٰھُنَا مُحَمَّدٌ نَبِیُّنَا

اَلْقُرْاٰنُ وَ الْمَھْدِیُ اِمَامُنَا اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا

آپ نے فقرائے متوکلین علی اللہ ساٹھ (60) سوارانِ بے سروسامان کے ساتھ عصری آلاتِ حربہ سے مسلح باقاعدہ ساٹھ ہزار (60000) کی سرکاری فوج کو شکستِ فاش دے دی۔!!! اس طرح حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی پیشین گوئی بطورِ اعجاز، منجانب اللہ پہلے دن کی جنگ میں پوری ہوئی۔

ایک دن کے وقفہ کے بعد فوج پھر جمع ہو کر حملہ آور ہوئی تو میدانِ جنگ میں سردارانِ فوج سے بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ نے خطاب فرمایا:-

"تم کس لیے ہم پر ظلم و ستم کرتے ہو؟ اور کیوں ہمارے قتل کے درپے ہو؟ ہم کسی کے ملک و دولت کو لوٹتے نہیں ہیں۔ اور نہ سلطنت و حکومت پر قبضہ کر لینے کی نیت رکھتے ہیں۔ ہم صرف اللہ کی ذات کے طالب ہیں۔ اور اُنہی اُمور سے سروکار رکھتے ہیں۔ جو موجبِ رضائے الٰہی ہیں۔ اور دوسروں کو بھی عشق و محبت و طلب الٰہی کی دعوت دیتے ہیں۔"

اس کے بعد بھی دشمنانِ دین پر آپؓ کی حقانیت و مظلومیت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ شقاوتِ قلبی سے آمادۂ جنگ ہوئے اور اقدامِ جنگ کیا تو اس نوبت پر، مدافعانہ جنگ ناگزیر ہو گئی۔ آخر آپؓ مع رفقاء، شہید ہو گئے۔ سدراسن۔ پٹن۔ چاپانیر، علاقۂ گجرات کے ان تین مقامات میں آپؓ کی تین زیارت گاہیں حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام ہی کی پیشین گوئی کے مطابق موجود ہیں۔!!! غرض یہ کہ حکمِ جہاد کی پہلی آیت " وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ " میں ہدایت کی روح یہ ہے کہ جنگ میں پہل نہ کی جائے۔ نورِ ہدایت کی یہ روشنی جہاد بالسیف کے تمام احکام اور تمام حالات میں مؤمنین کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ ایسے اعلیٰ و ارفع، امن و رحمت پر مبنی حکمِ الٰہی کو منسوخ قرار دینا، مقصود و مرادِ الٰہی کے احترام کے مغایر اور مذہبِ اسلام کو ناحق موردِ الزام کرنے کا باعث بھی ہے۔!!!

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿2﴾(سورۃ الحشر) ترجمہ:-پس بصیرت رکھنے والو عبرت کرو۔

اسی لیے امام رازیؒ نے بھی اس آئیہ شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ:-

"بے شک یہ آیت ہم سے جو قتال کریں اُن سے قتال کرنے کے حکم پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے۔"

ہم نے جن آیاتِ قتال کا بادلائل واضح بیان کیا ہے، اُس کی تائید دوسری آیاتِ شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿41﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿4﴾ (سورۃ الشوریٰ)

ترجمہ:- اور جو کوئی اپنے پر ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی راہِ ملامت نہیں۔ یقیناً راہِ ملامت اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق زمین میں بغاوت و سرکشی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آئیہ شریفہ سے واضح ہے کہ جو غیر مسلم خدا کے بندوں پر ظلم نہیں کرتے اسلام کے خلاف، فتنہ و فساد برپا نہیں کرتے، خواہ وہ کتنے ہی عقایدِ باطلہ کے حامل ہوں۔ اُن کفار و مشرکین سے قتال، کے لیے فی سبیل اللہ کوئی گنجایش، مومنین کے لیے نہیں ہے۔

قرآنِ مجید میں مشرکین و کفار سے قتال یا حسنِ سلوک و دوستی کے بارے میں اس سے بھی زیادہ واضح و صریح احکام موجود ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿8﴾ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿9﴾

(سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ:- اللہ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرنے سے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تو صرف اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے، جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی۔ اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں دشمنوں کی دد کی۔ ان لوگوں کو جو کوئی (مسلمان) دوست بنائے گا وہ سب کے سب (مسلمان) ظالم ہیں۔

اس آئیہ شریفہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ مشرکین و کفار سے قتال ہو تو کس صورت میں ہو۔ اور کن صورتوں میں اُن سے دوستی، حسنِ سلوک اور انصاف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ حکم بھی واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ کن صورتوں میں اُن کے ساتھ دوستی کرنے والا مؤمن و مسلمان بھی ظالموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔!!!

جب قتال کی شرائط موجود ہوں اور قتال فرض ہو جائے تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد بالسیف فرض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿216﴾ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ:- تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں (باعثِ) خرابی ہو۔ اور اللہ جانتا ہے۔ اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

جنگ کی وجہ سے جان کا، مال کا اور خاندانوں کے اسبابِ معیشت کا نقصان ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دین کی خاطر، جنگ میں حصہ لینے سے بعض قلوب میں تامل و تشویش کا امکان رہتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح ہدایت فرمائی ہے کہ جب از روئے دین، کفار و مشرکین سے جنگ فرض ہو جائے، تو ہر مومن پر لازم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سب کچھ نثار کر دے۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود، احکامِ دین کی تعمیل ہی پر منحصر ہے۔ اس لیے راضی برضائے الٰہی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہماری عقل، اس کی حکمت و مصلحت کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ ایسے وقت، عقل و شیطان کے وسوسہ سے بچنا، تقویٰ اختیار کرنا، مال، اولاد، عزت اور جان سب کچھ فی سبیل اللہ قربان کر دینا ہی اقتضائے شانِ ایمان ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مزید تفصیل کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے:-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿24﴾ ع (سورۃ التوبہ)

ترجمہ:- (اے محمدؐ) مسلمانوں سے کہدیں کہ تمہارے ماں، باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان والے اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو۔ اور تمہارے مکانات جن سے تم خوش ہوتے ہو۔ اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قہر) تم پر نازل ہو جائے۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ایک اور آئیہ شریفہ میں جہاد باسیف سے پہلو تہی کرنے والے مسلمانوں کے لیے سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ج فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿38﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾ (سورۃ التوبہ)

ترجمہ:- اے ایمان لانے والو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے اللہ کے راستہ میں نکلو تو زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کی بجائے حیاتِ دنیا پر راضی ہو گئے ہو؟ پس دنیاوی زندگی کا فائدہ آخرت میں قلیل ہونے کے سوائے کچھ نہیں۔ اگر تم (وقت آنے پر بھی) جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو خدائے تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو (اپنا کام لینے کے لیے) پیدا کر دے گا۔ اور تم اسے کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

اِن آیاتِ شریفہ سے جہاد بالسیف کی ضرورت و اہمیت پر روشنی پڑ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لیے دو (2) ہی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ باایمان زندگی یا موت۔!!! اگر دارالاسلام پر یا مسلمانوں کے حقوقِ مذہبی آزادی پر حملہ کیا جائے، اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی کوشش کی جائے تو ہر مسلمان پر اس کی مدافعت فرضِ عین ہو جاتی ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مسلمان کے نماز پڑھ لینے اور روزہ

رکھ لینے سے دوسرے مسلمان بری الذمہ نہیں ہوسکتے اِسی طرح جہاد بالسیف بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بلکہ جہاد بالسیف کی فرضیت و فضیلت، نماز و روزہ سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ مذہبی آزادی کے حقوق حاصل نہ ہوں تو احکامِ مذہب پر عمل کرنا بھی ممکن نہ رہے گا۔!!!!

مقامِ جنگ سے جو لوگ دور ہوں، اُن پر بھی فرض ہو جاتا ہے کہ حتی المقدور قتال میں حصہ لیں۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کریں۔ مال و زر سے امداد کریں اور جنگ میں مدد دینے کی ہر ممکن ضرورت کو پورا کرنے سے دریغ نہ کریں۔

حتّٰی کہ اولاد کو اپنے والدین کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بیوی یا غلام کو بھی اپنے شوہر و آقا کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ مسلمان مرد ہو یا عورت ہر ایک کو حتی المقدور اپنا فرض ادا کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ خدا کا حق ہے۔!!!

اس کے مقابلہ میں ماں، باپ، شوہر و آقا کے حقوق کا لحاظ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ جس طرح نماز و روزہ کی ادائی میں یہ حقوق حائل نہیں آسکتے، اسی طرح یہ حقوق جہاد بالسیف کے ہر ممکن تعاون سے بھی باز رکھنے کے مجاز نہیں ہوسکتے!!!

"فقہ" کی تمام متداول کتابوں میں یہی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ صاحبِ "ہدایہ" نے لکھا ہے:-

فان هجم العدو علٰی بلدوجب علٰی جميع الناس الدفع تخلوح المروة بغير اذن زوجها والعباد بغير اذن المون لانه سار فرض العين و ملک اليمين ورق النكاح لا يظهر فی حق فروض الا يجل كما فی الصلوٰة و السلام

ترجمہ:- یعنے اگر دشمن دارالاسلام پر حملہ کر دیں تو تمام مسلمانوں پر دفاع میں شریک ہونا فرض ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ بیوی اپنے شوہر کی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر دفاعی جنگ میں شریک ہو جائے۔ کیونکہ یہ "فرضِ عین" ہے۔ اور "فرضِ عین" میں ملکیت و زوجیت کا حق "مُوَثِّر" نہیں ہوتا، جیسا کہ نماز و روزہ کی ادائی کو شوہر و آقا، اجازت دیں یا نہ دیں بیوی اور غلام پر فرض ہو جاتی ہے۔

فقہی کتابوں میں ایسی صورت کے لیے "نفیر" کا لفظ بطورِ اصطلاح استعمال کیا گیا ہے۔ یعنے جب نفیر عام ہو جائے تو مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ "نفیر"، "نفر" سے مشتق ہے۔ لغت میں "نفیر" کے معنی تیزی سے دوڑنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ملتِ اسلامیہ کی حفاظت کے لیے جہاد و قتال کا وقت آگیا ہو تو امیر ملت کی طرف سے طلبی اور اجتماع کو "نفیر" کہا جاتا ہے۔

صاحبِ "ہدایہ" نے لکھا ہے:-

الا ان يكون النفير عاما فحيث عن يصير من فروض الاعيان

ترجمہ:- یعنے جب نفیر عام ہو جائے تو مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے نفیرِ عام کی صورت اور اس کے حکم کے بارے میں لکھا ہے:-

فاذا كان النفير عاما بان هجموا علٰی بلدة من بلادا المسلمين قيصير من فروض الاعيان

ترجمہ:- یعنے جب مسلمانوں کے کسی شہر پر غیر مسلموں کے حملہ کرنے کی نفیرِ عام ہو جائے تو اُن غیر مسلموں سے جنگ کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ "موطا" میں فرماتے ہیں:

ترجمہ:- یعنے کفار و مشرکین اسلامی شہروں پر حملہ کر دیں اور مسلمانوں کے امام کی طرف سے نفیرِ عام ہو جائے تو جہاد تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

اگر امام وامیر کی نفیر کا موقع نہ ہو اور حالات، نفیر کے مقتضی ہوں تو اس صورت میں بھی جہاد بالسیف "فرضِ عین" ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی نے لکھا ہے:۔

نزدیک استغفار جہاد فرض الاعیان شود۔ استغفار را چوں منقح کینم حاصل شود حالتے کہ تقضائے استغفار شدہ است از قصدِ کفار بلادِ مارا قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین و عدم کفایہ ازاں مسلماناں وآنچہ بداں ماند۔(سوی شرح موطا)

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کے امیر وامام کی نفیر سے بلکہ حالات ایسے پیش آجائیں، جن سے مسلمان یہ جان لیں کہ اعدائے اسلام، حکومتِ اسلامیہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں، یا مسلمانوں اور کافروں میں مذہبِ اسلام کے لیے جنگ چھڑ گئی ہے اور ملتِ اسلامیہ کی دفاع وحفاظت کا وقت آگیا ہے تو خواہ کوئی بلانے والا بلائے یا نہ بلائے، مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جائے گا۔ اسی طرح معتمد علیہ علمائے وقت کا فتویٰ بھی نفیر کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ غرض ہر ایک صورت کا حکم اس کے درجہ کے مطابق ہو گا۔ اور مقام جنگ سے قریب ہو یا دور، مقتضیاتِ جنگ کے لحاظ سے جس فردِ مسلم ومومن میں جس قدر قوت واستعداد حاصل ہو، اس کے مطابق جنگ میں حصہ لینا اور اسبابِ جنگ مہیا کرنے میں تعاون کرنا، فرض ہو جاتا ہے۔

اس لحاظ سے قتال فرض ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک فرضِ عین، دوسری فرض کفایہ۔ مذہبِ اسلام کے خلاف مسلمانوں کے جس شہر پر کفار کا حملہ ہو جائے، اس شہر کے بسنے والے تمام مسلمانوں پر قتال "فرضِ عین" ہو جاتا ہے۔ اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ امیر، غریب، آقا، غلام، عورتیں سب اس حکم میں برابر ہیں۔ بیمار وضعیف جن میں میدانِ جنگ میں جانے کی اور عملاً حصہ لینے کی توانائی نہ ہو، اُن سے جس قدر جو کام بھی تعاون کے لیے ہو سکتا ہو کرنا موجبِ اجر ہو گا۔

اگر مقامی لوگ کمزور ہوں، بے ہتیار ہوں یا قتال کو بارِ گراں سمجھ کر بزدلی اختیار کر رہے ہوں تو ایسی صورت میں اس شہر سے قریب کے مسلمانوں پر جہاد میں حصہ لینا "فرضِ عین" ہو جاتا ہے۔ اس طرح اقتضائے وقت کے اعتبار سے بتدریج تمام دنیا کے مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جائے گا۔ اسی لیے صاحبِ "ہدایہ" نے لکھا ہے۔:۔

ان الجهاد اذا جاء النفير انما يصاير فرضِ عين علٰى من يقرب من العدو نامامن وراء هم لبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم ---- فان احيتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن لامقاومة مع العدو اولم يعجزوا عنها كنتم تكاسلوا ولم يجاهدوا فان يضترض علٰى من يليهم فرض عين --- ثم انى ان يفترض علٰى جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً علٰى هذاالتدريج ---الخ

ترجمہ:۔جب جہاد کی نفیر عام ہو جائے تو جو کوئی دشمن سے قریب ہو اس پر وہ "فرضِ عین" ہو جاتا ہے۔ مگر جو لوگ دشمن سے دور ہوں اُن پر فرضِ کفایہ رہتا ہے۔ اگر دوسرے مقام کے مسلمانوں کی ضرورت ہو، اس طرح کہ مقامی لوگ، دشمن کی مدافعت سے عاجز آگئے ہوں لیکن پست ہمتی کی وجہ سے قتال سے باز رہے ہوں تو اُن لوگوں پر جہاد فرضِ عین ہو جائے گا جو قریب ہوں۔۔۔۔۔ اسی طرح بتدریج تمام مسلمانوں پر شرقاً وغرباً فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

اگر مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں ہوں، مسلمان کی حیثیت سے جینا محال ہو گیا ہو، لوٹ مار جاری ہو۔ مذہبی آزادی سے محروم کیا جا رہا ہو، اور حکومتِ وقت اس فتنہ کے انسداد پر قادر نہ ہو اور مسلمانوں میں بھی مدافعت کی قوت نہ ہو، عاجز ہوں تو اُن مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس ملک سے ہجرت کے

مصائب برداشت کر کے اپنے ایمان و اسلام کا تحفظ کریں۔

حاصلِ کلام یہ کہ آیات و احادیث، عملِ خلفائے راشدینؓ اور احکامِ فقہیہ کی مذکورۃ الصدر تفصیلات میں نکتہ ضرور مضمر پایا جارہا ہے کہ قتال کی ان تمام صورتوں میں احکام کا تعلق، دشمنانِ دینِ اسلام کے حملہ ہی سے ہے۔ لیکن کسی کو مسلمان بنانے یا تبلیغِ اسلام کے لیے تلوار اٹھانے کا کسی حکم میں کہیں اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہ نکتہ ضرور ذہن نشین رہنا چاہیے!!!

اسلام سے پہلے جو جنگیں ہوا کرتی تھیں، اُن میں جتنے غیر اخلاقی، غیر انسانی اور وحشیانہ طریقے اختیار کیے جاتے تھے، اسلام نے اُس طاغوتیت کی ایسی اصلاح کی ہے کہ اسلامی جنگ بھی بالآخر رحمت ہی ثابت ہوتی تھی۔!!!

اسلامی آدابِ جنگ میں یہ حکم نہایت ہی اہم ہے کہ جو کچھ بھی کیا جائے **خالصاً لِوَجْهِ الله** (صرف اللہ کے لیے) ہو۔ نفسانیت اور جوشِ انتقام کے حامل، ذاتی اور فاسد جذبات کا دخل ہو اور نہ دنیاوی اغراض پیشِ نظر ہوں۔ ورنہ محض نفسانیت اور مفادات کی خاطر لڑی جانے والی جنگ کی وجہ سے مسلمان اس دنیا میں بھی جان، مال اور عزت کے نقصان میں مبتلا ہونگے اور اُن کو اللہ تعالیٰ کے پاس بھی اجرِ عظیم سے محروم رہنا پڑے گا۔

احادیث کی متداول کتابوں میں کئی روایات اس بارے میں پائی جاتی ہیں:-

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ:-

جاء رحل الی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ما القتال فی سبیل الله فان احدنا یقاتل غضبا و یقاتل حمیة فرفع الیه راسه فقال من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله

نیز ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ:-

ترجمہ:- ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ! قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ ہم میں سے کوئی جوشِ غضب میں لڑتا ہے اور کوئی حمیت کی حالت میں لڑتا ہے؟ آپؐ نے اس کی طرف سر اُٹھایا اور فرمایا کہ جو کوئی شخص اس لیے لڑتا ہے کہ صرف اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو، تو وہی (قتال) فی سبیل اللہ ہے۔

جاء رجل الی النبی ﷺ فقال الرجل یقاتل للغنم والرجل یقاتل الذکر و الرجل یقاتل لیرمی مکانه فمن فی سبیل الله فقال من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیافهو فی سبیل الله

ترجمہ:- ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، کوئی شخص مالِ غنیمت کے لیے لڑتا ہے، اور کوئی شخص شہرت و ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لیے جنگ کرتا ہے۔ پس کس مجاہد کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو (مومن) اس لیے جنگ کرتا ہے کہ صرف اللہ کا کلمہ ہی بلند ہو، پس وہی اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا ہے۔!!!

معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ:-

الغزوغزوان فامامن ابتغىٰ وجهه الله واطاع الامام وانفق الکریم واجتنب الفساد فان نومه و بنهته اجر کله واما من غزا رباء و سمعة و عصی الامام و افسد فی الارض فانه لا یرجع بالکفاف

ترجمہ:- جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لئے جنگ کی اور (جنگ میں) امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا، اور فساد سے پرہیز کیا، تو اُس کا سونا اور اس کا جاگنا، سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دِکھاوے کے لیے اور شہرت و ناموری کے لیے جنگ کی اور اُس

میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد برپا کیا، تو بے شک وہ شخص زادِ آخرت کے ساتھ نہیں لوٹے گا۔!!!!

جنگ میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملنے لگا تو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمانوں میں مالِ غنیمت کا شوق، جہاد میں شرکت کا سبب نہ بن جائے۔ اس لیے احکامِ خدا اور رسولؐ کے خلاف، مالِ غنیمت من مانے لے لینا، سخت ممنوع قرار دیا گیا۔ بلکہ ایسی نیت کا ہونا بھی اللہ و رسولؐ کی ناخوشی کا اور شرکتِ جہاد کے ثوابِ عظیم سے محروم ہو جانے کا سبب قرار دیا گیا۔

یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ مالِ غنیمت کس کو کہتے ہیں۔ مالِ غنیمت کو کس طرح لینا، حلال یا حرام ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت کس طرح جمع کیا جائے، کس طرح تقسیم کیا جائے، ان سب امور کی اصلاح کے لیے آداب و احکام جاری کیے گئے۔

دنیا کے کسی مذہب میں اور دنیا کے کسی ملک کی سیاست میں، جنگ کے جیسے خطرناک موقع پر بھی شرافت، انسانی ہمدردی، خدا ترسی کی ان اعلیٰ اقدار کا تحفظ اور للّٰہیت اور خوفِ خدا کے جیسے اعلیٰ محاسن کا پایا جانا، محال ہے۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا تعلق، اسلام کے مسائلِ ولایت اور مسائلِ عشق و محبتِ الٰہی سے ہے۔ اس لیے اسلام کے جس حکم میں زیادہ "عزیمت" و "عالیت" پائی جاتی ہو، اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے کلمہ گو سرکاری افواج کے حملہ آور ہونے پر مہدوی مجاہدین کو جو صرف فقرائے متوکلین علی اللہ تھے، بے سروسامان ہونے کے باوجود اس مدافعانہ جنگ میں فتحِ عظیم ہونے کے بعد حکم دیا تھا کہ میدانِ جنگ میں جو کچھ سامان، مخالف افواج کا پایا جا رہا ہے، اس میں سے حسبِ ضرورت، ہتیار کے سوائے کوئی چیز نہ لی جائے۔ ورنہ مظلومیت و شہادت کے اجرِ عظیم سے محروم ہو جاؤ گے۔!!!

جنگ کے موقع پر جوشِ غضب اور جذبۂ انتقام میں حدود اللہ سے متجاوز ہو جانے اور ظلم کے مرتکب ہونے سے بھی تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ تا کہ نفسانیت کا فساد، "جہاد بالسیف" کے "مقصدِ اصلاح" میں حائل نہ ہونے پائے۔!!!

چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی:-

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا مغیرا ولا امواۃ ولا تغلوا وضموا غنائکم واصلحلوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین

ترجمہ:- کسی بوڑھے ضعیف کو اور چھوٹے بچہ کو اور عورت کو قتل نہ کرو اور نہ حد سے تجاوز کرو۔ اور تمہارے اموالِ غنیمت سب ایک جگہ جمع کرو اور نیکی و احسان کرو یقیناً اللہ، محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔

نیز شدید تاکید کے ساتھ ہدایت فرمائی:-

واللہ قدوعظمت و امرت و غیت من اشیاء انھا لمثل القرآن اواکثرو ان اللہ تعالٰی لم یجل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب لا ضرب نساءھم ولا اکل ثمارھم

ترجمہ:- اللہ کی قسم! میں جو نصیحت کرتا ہوں اور جن مسائل کے بارے میں امر یا نہی کرتا ہوں، بے شک وہ قرآن کے اتنا یا زیادہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جائز نہیں کیا ہے کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ اور اُن کی عورتوں کو مارو اور اُن کے پھل کھا جاؤ۔

نیز قرآنِ مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (سورۃ

البقرہ۔205)

ترجمہ:-اور جب والی بن جاتا ہے تو زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش اور فصلوں اور نسلوں کو تباہ و ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔!!

قرآن، احادیث، تفاسیر، فقہ، تاریخِ اسلام کی کتابوں میں بے شمار ہدایات و تفصیلات موجود ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بے مثال ہدایات و ارشادات پر عمل کرنے کی وجہ سے اسلامی جنگ بھی "رحمت" بن جاتی تھی۔! لوگوں کو کفر اور شرک کے جبر و استعباد سے چٹکارا مل جاتا تھا اور انہیں فکر و عمل کی آزادی مل جاتی تھی جس کے نتیجے میں ہزاروں گمراہ انسانوں کے قلوب، ان محاسنِ اصلاح سے متاثر ہو جاتے تھے اور وہ ذوق و شوق سے اسلام قبول کر لیتے تھے۔!!!

اسلامی تعلیمات سے بے بہرگی کی وجہ سے آج پچھلی قوموں سے بھی زیادہ وحشت و بربریت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ رنگ و نسل کی رقابتوں، قوم و زبان کی عداوتوں کی وجہ سے فسادات ہوں یا ہوسِ ملک گیری اور اغراض و مفادات کے لیے حکومتوں کی لڑائیاں ہوں، ہزاروں، لاکھوں، بے گناہ انسانوں کے بلا امتیاز قتل و غارت گری کا سبب بن رہی ہیں۔ خطرناک ہتھیاروں کی ایجادات کی وجہ سے بڑے بڑے شہر، آنِ واحد میں تباہ و تاراج کر کے کھنڈر بنائے جا رہے ہیں۔ اُصول و دیانت اور حق و انصاف کی بجائے دولت اور فوجی قوت کی حکمرانی ہے۔

دورِ حاضر میں قومِ اسرائیل نے اللہ کے ایک رسول کی امت ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود، بعض ممالکِ عرب کے خلاف جون 1967ء کی مختصر مگر پر فریب اور بدترین جنگ میں، اپنے اسلاف کی شقاوت و درندگی کی تاریخ، انتہا درجہ سفاکی کے ساتھ پھر ایک بار دہرائی ہے۔ حتّٰی کہ "بیت المقدس" کو بھی اپنے پنجۂ ظلم کی گرفت میں لے کر بلا لحاظِ فرق، پوری دنیا کے مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کیا ہے۔!!!

واقعہ تو یہ ہے کہ آثارِ قیامت کے اس دور میں عیسائی ہوں کہ یہود، مسلمان ہوں کہ غیر مسلم، سب حکومتوں کی سیاسیات، غیر اسلامی، طاقتور حکومتوں سے کسی نہ کسی طرح وابستگی کی وجہ سے ایسی راہ پر گامزن ہیں کہ جس کی تائید، رحمتہ للعالمین ﷺ کی تعلیمات سے قطعاً ممکن نہیں۔!!!

کاش، عربوں کی یہ لڑائی، نام نہاد "عرب قومیت" کے لیے نہ ہوتی، عرب سرزمین کے لئے نہ ہوتی بلکہ صرف اللہ کے لیے اور اللہ کے دین کے لیے ہوتی، اللہ کے بھروسے ہوتی اور اللہ کے احکام کے تابع ہوتی۔!!!

اس کے برعکس خود عرب ممالک ایک دوسرے پر اپنے اپنے پسندیدہ غیر اسلامی سیاسی نظریات کو سازشوں اور خونریزیوں کے ذریعہ مسلط کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ایک ملکِ عرب کی افواج کے ذریعہ دوسرے ملکِ عرب پر جان اور مال کے نقصانات عاید کیے گئے، بلکہ بعض مشہور و معروف علمائے عرب کی جانیں لینے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

اَللّٰھُمَّ اَحْفِظْنَا عَنَ الْشُرُوْرِ وَ النَّفْسّ۔

چنانچہ شاہِ مراکش کے ایک بیان میں ایسے ہی اشارات پائے جاتے ہیں:

رباط۔10/جولائی 1967

"مراکش کے شاہِ حسن نے عربوں کی حالیہ ناکامی پر تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے اپنی توانائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف، سازش اور ریشہ دوانیاں کرنے کے لیے استعمال کیا۔ ہمارا زیادہ وقت آپسی اختلافات اور معاندانہ سرگرمیوں میں ضائع ہو گیا۔ ہم نے اللہ کو فراموش کر دیا۔ اسلام کا نام بلند کرنے پر ہم نے عرب قوم پرستی کو اپنا مطمعِ نظر بنا لینے کو ترجیح دی۔ بعض قایدینِ اسلام نے اسلام کا پیرو اور حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کا فدائی ہونے

کے بر خلاف، اپنے آپ کو فرعون کا جانشین کہلانے پر فخر محسوس کیا۔ اس کا نتیجہ آج ہم سب کے سامنے ہے۔ شاہِ مراکش نے کہا، اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے گناہوں کی توبہ کریں اور اپنا محاسبہ کرلیں تو پھر ہمیں عروج نصیب ہوسکے گا۔" (رہنمائے دکن مورخہ 11/ جولائی 1067ء)

الغرض، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کفار و مشرکین کو قتل و غارت کر کے اُن کا وجود، جبراً دنیا سے مٹادینے کے لیے نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بر خلاف، دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو، قوت و غلبہ حاصل ہونے کے باوجود، تلف کرنے یا اُن کی بے حرمتی کرنے کی قرآن واحادیث میں ممانعت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شانِ مبارک میں "رحمتہ للعالمین" ارشاد فرمایا ہے۔ آپؐ کی زبانِ مبارک سے دنیا کے انسانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ:-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔۔الخ (سورۃ الاعراف۔158)

ترجمہ:- اے لوگو! بے شک میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔

اور آپؐ کو ہدایت دی گئی کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ط (سورۃ النحل۔125)

ترجمہ:- (اے محمدؐ) اپنے رب کے راستہ کی طرف، حکمت اور نصیحت سے بلاؤ اور اُن کے ساتھ اُسی اچھے طریقہ سے بحث کرو۔

نیز ہدایت فرمائی:-

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۔۔۔الخ (سورۃ حٰم السجدۃ۔34)

ترجمہ:- اور نیکی اور بدی دونوں برابر نہیں ہوتے۔ بدی کو ایسے طریقے سے دور کرو جو زیادہ اچھا ہے۔!!!

نیز آپؐ پر آپؐ کے منصبِ مبارک کی خصوصیت واضح کی گئی:-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص (سورۃ اٰل عمران۔159)

ترجمہ:- یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تو اُن کے لیے نرم دل بنایا گیا۔ ورنہ اگر تو سخت کلام اور سنگدل ہوتا تو وہ تجھے چھوڑ کر الگ ہوجاتے۔

"رِفْق" یعنی نبی ﷺ کی نرم دلی کے بارے میں بھی کئی احادیث پائی جاتی ہیں۔ بطورِ مثال چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے قرآن کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جو قلوب میں نرمی، ارواح میں گرمی اور خیالات میں انقلاب پیدا کریں۔ اس کے بعد احکام کی آیات نازل ہوئی ہیں۔"

"فتح مکہ کے بعد مکہ کے بڑے بڑے سردار جو محمد ﷺ کے دشمن، مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کے سدِراہ تھے، آج حرم کی صحن میں کھڑے ہوئے تھے۔" حضرت محمد ﷺ نے اُن پر نظر ڈالی اور سوال فرمایا کہ اے مکہ کے سردارو! آج میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرونگا؟ سب نے کہا، آپؐ نوجوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں" ارشاد فرمایا: "جاؤ آج تم پر کوئی ملامت نہیں، تم سب آزاد ہو۔"!!!

"ہندہ، ابوسفیان کی بیوی جس نے "اُحد" کے میدان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑے کیے تھے، نقاب اُوڑھے ہوئے سامنے حاضر ہوئی۔ عام معافی کے اعلان سے خوش ہو کر چلا اٹھی کہ "اے اللہ کے رسولؐ! آج سے پہلے مجھے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے نفرت نہ تھی،

مگر آج سے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ مجھے عزیز نہیں معلوم ہوا"۔

"بخاری" کی حدیثِ شریف ہے کہ "ایک دفعہ مسجدِ نبوی میں ایک بدوی (صحرائی) پیشاب کرنے لگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دوڑ کر اس کو منع کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ نے صحابہؓ کو فوراً روک دیا۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا تو آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ پانی بہادو، اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ سختی کرنے کے لیے نہیں بلکہ "رفق" و آسانی کے لیے بھیجے گئے ہو۔!!!"

غور کا مقام ہے کہ مسجدِ نبویؐ ہونے کے باوجود "بدوی" کو پیشاب سے فارغ ہو جانے کا موقع دینے میں آپؐ کی کس قدر حکمت اور رحم دلی پائی جا رہی ہے۔ چونکہ بدوی کا یہ فعل، نادانی و ناواقفیت کی وجہ سے تھا، اس لیے آپؐ نے بدوی کے بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ کیوں کہ پانی بہا کر جگہ پاک کر دینے کے حکم سے بدوی پر بھی واضح ہو گیا کہ "مسجد" احترام کی جگہ ہے۔!!!

اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپؐ نے رحم دلی اختیار کرنے کی واضح الفاظ میں ہدایت فرمائی، اور آگاہ فرمایا کہ خدا نے تم کو منصبِ ہدایت پر اسی خصوصیتِ "رفق" کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ کیوں کہ "صلاح" کے بغیر "اصلاح" نہیں ہو سکتی۔ اور جو "منور" نہ ہو، "منیر" نہیں بن سکتا۔ اس لیے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو زیادہ سے زیادہ "صاحبِ صلاح" بنانے کی سعی فرمائی، تاکہ "اصلاح" کا کام کماحقہٗ، انجام پا سکے۔ اسلامی جنگ بھی "اصلاح" کی ایک اہم منزل ہے۔

حضرت رسولِ اکرم ﷺ جو فرماتے تھے اور جو عمل کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی اس تعلیم پر مبنی ہوتا تھا، جو بلاواسطہ، یا بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام، آپؐ کو ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حضرت محمد ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد جاری فرمایا ہے:-

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿203﴾

(سورۃ الاعراف)

ترجمہ:- کہو (اے محمد) اس میں شک نہیں کہ میں پیروی کرتا ہوں اس کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف، میرے رب کی طرف سے یہ (قرآن جس میں راہِ حق دکھانے والی) دلیلیں ہیں (جو) تمہارے رب کی طرف سے (نازل ہوا) ہے اور ہدایت ہے، رحمت ہے، قومِ مومنین کے لیے۔

اس لیے "جہاد بالسیف" کی جن صورتوں میں تلوار سے کام لینے کی ضرورت ہوئی، آپؐ نے اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کے تحت، تلوار اٹھانے کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا۔ جہاد بالسیف کے بارے میں جن آیات و احادیث اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان گزرا ہے، اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ "جنگ بدر" سے متعلق جو آیات قرآنِ مجید میں موجود ہیں، اُن سے یہ بات اور زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِالْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ط وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿44﴾ ع (سورۃ الانفال)

ترجمہ:- اور (یاد کرو اس وقت کو) جب اللہ نے تم کو تمہارے خواب میں اُن کی تعداد کم دکھائی۔ اگر اللہ تم کو اُن کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تمہاری ہمتیں پسپا ہو جاتیں اور امرِ جہاد میں تم آپس میں جھگڑ لیتے۔ لیکن اللہ نے (بے ہمتی اور اختلاف سے) بچا لیا۔ بے شک وہ تو دلوں کی باتیں جاننے والا ہے۔ اور جب کہ تم (دشمن کے) مقابل ہوئے تو تمہاری نظروں میں اُن لوگوں کو کم کر کے دکھلا رہا تھا۔ (اسی طرح) اُن دشمنوں کی نظروں میں تم کو کم

کر کے دکھلا رہا تھا تا کہ جو کام پورا کرنا منظور تھا اُس کی تکمیل کر دے۔ اور سب کام (مقدمے) اللہ ہی کی طرف رجوع کیے جائیں گے۔

"جنگِ بدر" کے معرکۂ عظیم کے موقع پر مسلمانوں کا موقف، اُصولِ حرب کے لحاظ سے بہر جہت کمزور و ناموافق تھا۔ تعداد کے لحاظ سے، عصری آلاتِ جنگ کے اعتبار سے دشمنانِ دینِ اسلام کی قوت، کئی گنا زیادہ تھی۔ دشمن کی فوج نے جس مقام پر صف آرائی کی تھی، وہ بلند تھا۔ مسلمانوں کا مقام نشیب میں تھا۔ دشمن کی زمین سخت تھی، مسلمانوں کی زمین ریتلی نرم تھی۔ اس کی وجہ سے حالتِ جنگ میں "پینترہ" یعنے قدم بڑھانے اور جمانے میں دشواری پیش آتی تھی۔ دشمن کے مقام سے پانی قریب تھا، مسلمانوں کے مقام سے دور تھا۔

دشمنوں کے لشکرِ جرار کا حربی موقف ہر حیثیت سے برتر و طاقتور تھا۔ ایسی صورت میں مقابلہ کے لیے اقدام کا ارادہ کرنا، مسلمانوں کے لیے ممکن نہ تھا۔ لیکن قادرِ مطلق تعالیٰ شانہٗ کا منشاء یہی تھا کہ حضرت محمد ﷺ سے اعجازِ عظیم کا ظہور ہو، اور دشمنانِ دین کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ کی حمایت میں غیبی طاقت ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عالمِ رویا، یعنے خواب میں دشمنوں کی فوج کی تعداد کم دکھائی اور یقیناً فتح ہونے کی بشارت دی۔ جس کی بنا پر آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی بشارتِ فتح سے اور خواب کی کیفیت سے واقف کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسی بارش ہوئی کہ مسلمانوں کے لیے پانی کی نہریں جاری ہو گئیں اور ریتلی زمین دب کی سخت ہو گئی۔ فرشتوں کا نزول بھی ہوا اور کفار کی سخت زمین کیچڑ ہو گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی نظروں میں مقابلہ کے وقت ایسی کیفیت پیدا فرمادی کہ مسلمانوں کا لشکر بہت ہی کم نظر آنے لگا تا کہ معمولی تعداد نظر آنے کی وجہ سے حملہ کرنے میں خوف یا تامل نہ کریں۔ اور مسلمانوں کی نظروں میں بھی ایسی کیفیت پیدا فرمادی کہ دشمنوں کا لشکرِ جرار بہت ہی قلیل تعداد میں نظر آنے لگا۔

منجانب اللہ تائیدِ غیبی کے اس اہتمام کی وجہ سے آپؐ کو فتحِ عظیم حاصل ہو گئی۔ جس کو آنحضرت ﷺ کا بہت بڑا معجزہ قرار دیا گیا۔

اور قرآنِ مجید میں بھی اس جنگ کا تذکرہ فتحِ عظیم اور معجزۂ عظمیٰ کی حیثیت سے موجود ہے۔!!!

اس اہتمام کی وجہ سے دشمنانِ دین کو بخوبی معلوم ہو چکا کہ آپؐ نے رسول اللہؐ ہونے کا جو دعویٰ فرمایا، اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا ہے۔ اور بے شک آپؐ کا وجودِ مبارک "رحمۃ للعالمین" ہے۔

مزید بدیہی ثبوت یہ ہے کہ دعوئے رسالت کے بعد تیرا (13) سال کے عرصہ میں، دشمنانِ دینِ اسلام کی طرف سے آپؐ نے بے شمار مصائب و آلام برداشت کیے اور آپؐ کا کلمہ پڑھنے والے آپؐ کے صحابہؓ میں شمار کئے جانے والے بھی اِن مصائب و آلام کے سہیم رہے۔ لیکن آپؐ نے کبھی تنگ آ کر، تلوار اٹھانے، ظلم و شقاوت کی مقاومت کرنے کا ارادہ بہ حیثیتِ انسان بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپؐ اللہ کے رسولؐ تھے، جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا اپنی طرف سے کوئی اقدام نہیں فرمایا کرتے تھے۔

غرض جہاد بالسیف کا حکم حضرت رسالتمآب ﷺ پر بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام یا بلاواسطہ، راست ذاتِ باری تعالیٰ سے بطورِ وحی ہوا کرتا تھا۔

آپؐ کے بعد قیامت تک مؤمنین کے لیے بھی اپنے نفس یا اپنے ذاتی مفادات یا غیر اسلامی اغراض یا غیر اسلامی سیاسیات و نظریات کے تحت تشدد اور شمشیر زنی کا اختیار، قطعاً نہیں ہے۔ کیونکہ مؤمنین کا ایمان، صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام پر ہوتا ہے۔ عبادات، معاملات، زندگی و موت، امن و جنگ سب کا انحصار، احکامِ شرعیہ پر ہی ہوتا ہے۔ احکامِ شرعیہ کے بغیر، جہاد بالسیف فرض نہیں ہو سکتا۔!!!

حاصلِ کلام یہ کہ رسالتمآب ﷺ کی بعثت، مشرکین و کفار سے محض جنگ کرنے کے لیے نہیں ہوئی، جہاد بالسیف تو اسلام کا ایک موقتی حکم ہے جو مخصوص شرائط کے ساتھ، فرض کیا گیا ہے۔ جب وہ فرض ہو جاتا ہے تو دوسرے تمام فرائض پر "مُرَجَّح " ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسالتمآب ﷺ کی شانِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے:-

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿4﴾ (سورۃ القلم۔4) یعنے اور بے شک تم اخلاقِ عظیم پر فائز ہو۔

اس آئیہ شریفہ میں " اِنَّ " لامِ تاکید اور " عظیم " کے الفاظ سے آپؐ کے اخلاق کی اہمیت و عظمت کو واضح فرمایا گیا ہے۔ یہی آپؐ کی رسالت کی روحِ رواں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (سورۃ المائدۃ۔3) یعنے اور میں نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ **"خلقِ عظیم "** ہی **" دینِ اسلام "** کی اصل ہے جس کی انتہا وہی ہے جیسا کہ رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَخَلِّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ یعنے اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔

اللہ کے اخلاق میں فنائیت کے مقامات و مدارج کا حاصل ہونا، منتہائے "خلقِ عظیم" ہے۔ رسالتمآب ﷺ نے "خلقِ عظیم" پر بدرجۂ اکمل و اتم خود عمل فرمایا اور دنیا کے انسانوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ آپؐ کا اور آپؐ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل "جہاد" یہی تھا۔!!!

موجودہ زمانہ کے طریقہائے جنگ اور اسبابِ جنگ کے تذکرہ کا مقصد ممالکِ عالم کی سیاست میں رائے زنی کرنا نہیں ہے، بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے جیسے مذہبِ اسلام کے اہم مسئلہ پر ہر زاویہ سے روشنی ڈال کر یہ دکھانا مقصود ہے کہ "رحمتہ للعالمین" کی تعلیمات و احکام کے خلاف جو قتال ہو، وہ قتال "فی سبیل اللہ" نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس پر جہاد کا حکم صادق آسکتا ہے۔ اگر چہ کہ وہ قتال، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔

مذہبِ اسلام میں "جہاد" کے معنوں کا انحصار صرف قتال بالسیف پر نہیں ہے۔ یہ لفظ لغوی و اسطلاحی متعدد معنوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً "محنت و کوشش کرنا، پوری طاقت لگا دینا، دشمن کے مقابلہ میں جو کچھ بن سکے کر گزرنا، دین کی حفاظت کی خاطر اور اعلائے کلمتہ الحق کے لیے جنگ کرنا، وغیرہ۔

اسی لیے قرآنِ مجید میں جہاں "قتال" کا لفظ آیا ہے، اُس سے قتال بالسیف، بالصراحتہً ثابت ہے۔ اور جہاں "جہاد" کا لفظ آیا ہے اُس سے ہر جگہ قتال بالسیف مراد نہیں لی جاسکتی۔

اسی لیے قرآن و احادیث کی روشنی میں جہاد کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

1- دشمنانِ دین سے جہاد

2- شیطان سے جہاد

3- نفس سے جہاد

ان تینوں قسموں کے جہاد کا تعلق، دل، زبان، اور ہاتھ سے ہوا کرتا ہے۔ "جہاد بالسیف" کو "جہادِ اصغر" اور "جہاد بالنفس و الشیطان" کو "جہادِ اکبر" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

قدرجعنا عن الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر یعنے ہم، جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں۔

تبلیغِ توحید و رسالت و خلافتِ الٰہیہ اور اظہارِ دلایل و آیات و بینات بھی انبیاء و خلفائے الٰہی کا منجانب اللہ، جہادِ اکبر ہے۔

جہاد بالنفس کے بارے میں حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

المومن من آمنه الناس علٰی دمائهم و اموالهم والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعته اللّٰه۔ والمهاجر من هجر الخطایا و الذنوب (صحیح مسلم)

یعنے مومن وہ ہے، جس سے لوگوں کی جانیں اور اُن کے اموال محفوظ رہیں اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔ او رمہاجر وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دیا ہو۔

فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کو بھی "جہاد" قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط (سورۃ التوبہ۔41)

ترجمہ:-اور اپنے اَمْوَالْ وَ اَنْفُسْ سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

نیز ارشاد فرمایا:-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔۔۔۔ الخ (سورۃ الانفال۔72)

ترجمہ:- جن لوگوں نے ایمان لایا، اور ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔

اللہ کے راستہ میں کوشش کرنے کو بھی جہاد کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ج (سورۃ الحج۔78)

ترجمہ:-اور اللہ کے معاملہ میں خوب کوشش کرو جیسا کہ اس کے بارے میں کوشش کرنے کا حق ہے۔

لقائے رب اور طلبِ دیدارِ الٰہی کے لیے جدوجہد کرنا تو عین جہادِ اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (سورۃ العنکبوت۔69)

ترجمہ:-اور جو لوگ ہمارے راستہ میں محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے (قرب و دیدار کے) راستے ضرور دکھائینگے۔

علمائے دین کی جو تبلیغ اور دشمنانِ دین کے اعتراضات کی جو مدافعت زبان و قلم سے ہوتی ہے، وہ جہادِ اصغر میں داخل ہے۔ اسی لیے حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مِدَادُ الْعُلَمَاءِ یُوْزَنُ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ

ترجمہ:-علماء کی سیاہی، (قیامت کے دن) شہداء کے خون سے تولی جائے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ علمائے دین کا جہاد بالقلم، جہادِ اصغر میں شامل ہے۔ اسی لیے رسالتمآب ﷺ نے علماء کی سیاہی کو شہداء کے خون سے تشبیہہ دی ہے۔ یعنے شہداء کے خون کی جزا، عند اللہ، ایسی عطا ہو گی، علماء کے جہاد بالقلم کی بھی ویسی ہی جزا عطا ہو گی۔

یہ معارضہ نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

"جتنی سیاہی دیکھو گے اُتنا ہی دل کالا ہو گا۔"

اس فرمان اور فرمانِ رسولؐ میں بظاہر تضاد واقع ہو رہا ہے، اس لیے حدیثِ شریف یا فرمانِ مبارک کی صحت، معرضِ بحث ہو جاتی ہے۔

یہ شبہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ حدیثِ شریف اور فرمانِ مبارک میں تضاد قطعاً نہیں ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ فرمانِ مبارک میں لفظ "سیاہی" سے کیا

مراد ہے؟ مطلق سیاہ رنگ مراد نہیں ہو سکتا۔ ورنہ کالے رنگ کے کپڑے دیکھنا، پہننا اور دوات میں سیاہی استعمال کرنا، سب ممنوع قرار پائے گا۔ حتٰی کہ رات کی تاریکی بھی اس لفظ "سیاہی" میں شامل ہو جائے گی۔

حضرت سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے رات کی سیاہی اور نیند کی حالت کو کس قدر بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے:-

قرصِ خورشید در سیاہی شد
یونس اندر دہانِ ماہی شد

آفتاب کی گولائی کو قرص سے اور رات کی تاریکی کو سیاہی سے تشبیہہ دے کر فرماتے ہیں، آفتاب سیاہی میں ڈوب گیا، یعنے رات ہو گئی۔

ایک واقعہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل گئی تھی۔ آنکھ کو "یونس" بھی کہتے ہیں۔ اور پلکوں میں مچھلی کے منہ کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ اس "تشابہ" کی بناپر آپ نے فرمایا ہے کہ "یونس مچھلی کے منہ میں چلی گئی "یعنی نیند کے لیے پلکیں بند ہو گئیں اور آنکھیں پلکوں میں پوشیدہ ہو گئیں۔

اس شعر میں رات کی تاریکی کو "سیاہی" سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اگر فرمانِ امامناعلیہ السلام سے مطلق "سیاہی" مراد لی جائے، تو رات کی تاریکی میں رہنا بھی ممنوع قرار پائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیثِ شریف میں بھی "سیاہی" کے لفظ سے دوات کی سیاہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ تبلیغِ دین اور دشمنانِ دین کے لیے اعتراضات و مناقشات کی مدافعت میں محنت و مشقت سے جو کچھ لکھا جائے گا وہ تحریر مراد ہے۔

اُس زمانہ میں لکھنے کے لیے "سیاہی" عام طور پر متعارف تھی، اس لیے "سیاہی" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعد کے زمانوں میں لکھنے کی ہر نئی ایجاد جو ہوئی ہے، اس تعریف میں داخل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جس روشنائی سے یا جس پنسل سے تبلیغ و مدافعتِ دین میں لکھا جائے وہ تحریر بھی عند اللہ شہداء کے خون کی طرح موجبِ جزا ہو گی۔

فرمانِ حضرت مہدی علیہ السلام میں بھی "سیاہی" سے مراد کتابیں ہیں۔ جو لوگ آپؑ کی تصدیق و صحبت سے مشرف تھے، آفتابِ ولایتِ محمدیہ کی ضیا باریوں سے منور ہو رہے تھے۔ ان کو معصوم عن الخطا، مفرض اطاعتہ، ہستی سے راست، تعلیم حاصل کرنے کا عظیم موقع حاصل تھا۔ آپؑ جس کسی کو احکام و تعلیمات سے مشرف فرماتے، اُن سب احکام و تعلیمات کا انحصار، بلاواسطہ، ذاتِ باری تعالٰی کی تعلیم ہی پر ہوتا تھا جو آپؑ کو عطا ہوتی تھی۔ اسی لیے اتباعِ کتاب اللہ و اتباعِ رسول اللہؐ میں آپؑ معصوم عن الخطا تھے۔

جو ہستی، خلیفۃ اللہ اور خاتمِ ولایتِ محمدیہ ہو، ایسی عظیم المرتبت ہستی کی صحبت میں رہنے والوں کے لیے محدیثین کی مرتب کردہ حدیث کی کتابیں اور مفسرین کی لکھی ہوئی تفسیریں اور علماء کی لکھی ہوئی فقہ وغیرہ کی کتابیں، جو معصوم عن الخطا لوگوں کی لکھی ہوئی نہیں تھیں، یقیناً غیر مفید اور تضیعِ اوقات کا موجب تھیں۔ اور یہ مشغلہ خصوصاً آپؑ کی صحبت میں رہنے والوں کے لیے جہاد بالنفس یعنے جہادِ اکبر کے اعلٰی مراتب و مقامات، عرفان و لقائے رب اور وصال الی المطلوب کی بے بہا نعمتوں کے حصول میں حائل ہونے کا موجب تھا۔ اس لیے حضرت مہدیٔ موعود ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جتنی سیاہی دیکھو گے اتنا ہی دل کالا ہو گا۔"

یعنے میری صحبت اور میری بتلائی ہوئی طریقت سے غافل ہو کر میری اجازت کے بغیر کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جاؤ گے تو قلوب پر تاریکیاں چھا جائیں گی اور قلوب کی تنویر سے محروم ہو جاؤ گے۔!!!

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جس قوم کو پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ ۔۔۔۔۔الخ (سورۃ المائدہ)54 یعنے اللہ قریب میں ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ قوم اللہ سے محبت کرتی ہے۔"

اس کے مطابق، خصوصاً مہدیٔ موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کے لیے اُن صفات و خصوصیات کا حامل ہونا لازم تھا جو کہ اس آئیہ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں۔

مہدیٔ موعود علیہ السلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس صلاح سے مشرف کر کے جس اصلاح کا اہل بنانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، وہ مراد اللہ پوری ہونی ضروری تھی تا کہ بخوبی آشکارا ہو جائے کہ یہ اللہ کی اور اس کے خلیفہ مہدیٔ موعودؑ کی لائی ہوئی قوم ہے۔

اس لیے آپؑ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے صرف آپؑ کی صحبت و تعلیمات سے کماحقہٗ، مستفیض ہونا اور صرف اسی میں اُن کا انہماک و استغراق، ضروریاتِ دین میں اہم ترین ضرورت تھی۔

قرآنِ مجید کی تلاوت کے بارے میں بھی ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس سے یہ مسئلہ اور صاف و روشن ہو جاتا ہے کیوں کہ قرآنِ مجید بھی سیاہی سے لکھا جاتا ہے۔

در کھانبیل پیش بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ ملک بخن رضی اللہ عنہٗ پرسید کہ فلاں کس قرآن بسیار خواند۔ چیزے از خواندان فایدہ می شود بعدہٗ بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ فرموند اگر قرآن را یتلونہ حق تلاوتہ می خواند ہم پردۂ نور میانِ بندہ و خدا می شود و از یادِ خدا پردۂ نور ہم دریدہ شود۔ (انصاف نامہ)

ترجمہ:- کھانبیل (علاقہ گجرات) میں بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے ملک بخن رضی اللہ عنہٗ نے دریافت کیا کہ فلاں صاحب قرآن بہت پڑھتے ہیں۔ اس سے کیا فایدہ ہوتا ہے؟ بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا اگر قرآن کی تلاوت حسبِ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (قرآن کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے) کی جائے تو پردۂ نور، نورِ خدا اور بندہ کے درمیان ظاہر ہوتا ہے اور خدا کی یاد سے جیسا کہ ذکر کا حق ہے کی جائے تو پردۂ نور بھی اُٹھ جاتا ہے۔ (یعنے فنا اور وصال کے مرتبہ پر فائز ہو جاتے ہیں)۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تعلیم و صحبت کے صدقہ میں بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ کو فنائے تام و دیدارِ ذاتی اور مسلمانِ تام کا مقام حاصل تھا اس لیے آپؓ نے اپنے تجربہ کی بنا پر یہ نازک نکتہ جواب میں بیان فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اصل مقصودِ قرآن و رسولؐ "ذکر اللہ" سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس تشریح سے ظاہر ہے کہ حدیثِ شریف کا منشاء اور فرمانِ مبارک کا منشاء، ایک ایک خاص مسئلہ کی طرف رہبری کرنا ہے، جو بجائے خود ضروری و لازمی ہیں۔ کیوں کہ حدیثِ شریف میں "جہادِ اصغر" کا اور فرمانِ مبارک میں، "جہادِ اکبر" کا بیان ہے۔

لہٰذا ان دونوں فرامینِ مبارک میں تضاد یا تعارض کا شبہ، بہر جہت غیر صحیح ہے۔

اس کے قطعِ نظر، اس فرمانِ امامنا علیہ السلام سے پڑھنا، لکھنا بھی مطلقاً ممنوع نہیں، کیوں کہ خود آپؑ نے سلاطین کے نام دعوتِ مہدیت کے خطوط لکھے ہیں۔ صحابہ کرامؓ سے مکاتب لکھوائے ہیں۔ اور دینیات و تصوف کی بعض کتابیں، پڑھنے کی، بعض صحابہؓ کو اجازت دی ہے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیقِ ولایت رضی اللہ عنہٗ نے "تبلیغِ مذہبِ مہدویہ" کے لیے اور مخالفین کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کی مدافعت کے لیے رسالے تحریر فرمائے ہیں۔

دورِ صحابہؓ سے آج تک، ہر دور میں کتابیں، مکاتب، رسائل وملفوظات، لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر اس فرمانِ امامناعلیہ السلام سے پڑھنے، لکھنے کی بھی مطلقاً ممانعت مراد ہوتی تو قومِ مہدویہ میں کسی کتاب یا کسی رسالہ یا کسی تحریر کی نظیر پائی جانی محال ہوتی۔ اور آج مہدویوں کے لیے پڑھنا، لکھنا قطعاً جائز نہ رہتا۔

بعض علمائے عصر نے حضرت مہدی علیہ السلام سے چند سوالات کیے تھے اُن میں سے ایک سوال وجواب درج کیا جاتا ہے۔

باز گفتند کہ شمارا علم خواندن ہم منع می کنید؟ حضرت مہدی علیہ السلام فرمودند کہ بندہ تابعِ محمد رسول اللہ ﷺ است۔ آنچہ حضرت رسول اللہ ﷺ منع نہ کردہ باشند بندہ چگونہ منع کند۔ بندہ ذکرِ دوام فرض می گوید بامراللہ و بحکمِ کتاب اللہ ہرچہ مانع ذکر است آن ممنوع است۔ چہ علم خواندن وچہ کسب کردن وچہ مشغول شدن وجہ خوردن و خپیدن غفلت حرام است و ہر چہ موجبِ غفلت است حرام است۔

(نقلیاتِ میاں عبد الرشید رضی اللہ عنہٗ وانصاف نامہ وغیرہ)

ترجمہ:- علماء نے پھر سوال کیا کہ کیا آپؑ علم پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں؟ حضرت مہدی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تابع ہے جو کچھ حضرت رسول اللہ ﷺ نے منع نہ کیا ہو، بندہ کیسے منع کرے گا۔ بندہ، اللہ کے (بلاواسطہ) حکم سے اور اللہ کی کتاب (قرآن) کے حکم سے ذکرِ دوام "فرض" کہتا ہے جو کچھ ذکر کا مانع ہو، وہ ممنوع ہے۔ خواہ علم پڑھنا، اور کسب کرنا، خواہ لوگوں سے میل جول رکھنا اور کاروبار میں مشغول ہونا، خواہ کھانا وسونا ہو، (بہرحال) غفلت حرام ہے۔ اور جو کچھ غفلت کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے۔

اس فرمانِ مبارک سے ہدایتاً روشن ہورہا ہے کہ طلبِ دیدارِ الٰہی کی دعوت، بعثتِ حضرت مہدی علیہ السلام کا بنیادی سبب ہے۔ اس لیے آپؑ کے احکام وتعلیمات کا تعلق، بحکمِ خدا، اِسی طلبِ دیدارِ الٰہی اور عشق ومحبتِ الٰہی سے ہے۔ آپؑ نے قرآن ورسولؐ کی تعلیم عشق ومحبتِ الٰہی کے مطابق، خدا کے بلاواسطہ حکم سے طلبِ دیدارِ خدا کی شرائط فرض فرمائی ہیں، جن میں "ذکرِ دوام" بھی ایک فرضِ ولایت ہے۔

اس لیے آپؑ نے اُس سبب سے بھی باز رہنے کی تعلیم فرمائی جو اُس فرض سے غفلت کا باعث ہو۔ لہٰذا نہ صرف حصولِ علم، بلکہ کسب کرنا، لوگوں سے میل جول رکھنا، کاروبار میں مشغول ہونا، کھانا، سوناوغیرہ تمام ضروریاتِ زندگی، اس طرح انجام پائیں کہ اللہ کے ذکر سے غفلت نہ ہونے پائے۔ کسی مشغلہ میں خواہ وہ شرعاً جائز ہی کیوں نہ ہو، اس قدر انہماک کہ باعثِ غفلت ہو جائے تو وہ مشغلہ غفلت ناجائز قرار پائے گا۔ اور قلوب کی تاریکیوں کا موجب ہو گا۔ اور فرمانِ مبارک سے صاف واضح ہے کہ یہ فرضِ ذکر صرف تارک الدنیا سے مخصوص نہیں ہے۔

سعدی بشوئے لوحِ دل از نقشِ غیر او☆☆☆ علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است (حضرت سعدی)

حضرت امامِ غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے "احیاالعلوم" میں علمِ دین کی تقسیم وتشریح جو بیان فرمائی ہے، ذیل کے نقشہ سے سمجھی جاسکتی ہے:

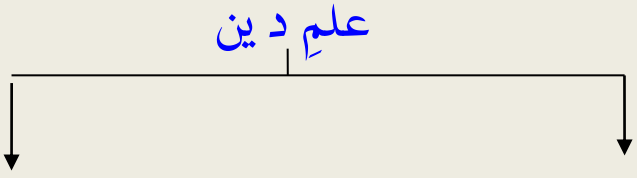

نوٹ:اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،نقلیاتِ بندگی میاں عبدالرشید کی توضیحات از صفحہ 126-139 علومِ معاملہ کا تعلق،علومِ مکاشفہ ہی سے ہے۔ اس لیے ان علوم کو بھی فرضِ عین میں شمار کیا گیا ہے۔ علمِ دین کی ایک شق،علومِ غیر شرعیہ سے مراد وہ علوم ہیں،جن کا جاننا،تدبیرِ شخص،تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن کے لحاظ سے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے صنعت و حرفت،معاشیات،ریاضی،طب،سائنس،فلسفہ،سیاسیات وغیرہ علوم کی،انفرادی و اجتماعی زندگی کی متعدد نوعیتوں کے مسائل کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔یہ سب فرضِ کفایہ میں شمار کیے گئے ہیں۔جن کا جاننا ہر فرد کے لیے ضروری نہیں ہے۔اور نہ ہر فرد اُن علوم کے جاننے کا اہل ہوتا ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

العلم علمانِ علم الابدان و علم الادیان

ترجمہ:-علم دو ہیں۔ابدان کا علم اور ادیان کا علم

غرض علومِ شرعیہ و غیر شرعیہ،سب فرضِ کفایہ میں داخل ہیں۔حضرت مہدیءِ موعود علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کے بلاواسطہ حکم سے اُسی علم کو فرض فرمایا ہے،جس کو صوفیہ کرام نے بھی قرآن واحادیث کی روشنی میں ہر فرد کے لیے،فرضِ عین،تسلیم کیا تھا۔حضرت مہدی علیہ السلام نے قرآن ورسولؐ کی اتباع میں بہ حیثیتِ خلیفۃ اللہ بحکمِ خدائے تعالیٰ طلبِ دیدارِ الٰہی،ہر مرد و عورت کے لیے،فرض فرمایا ہے۔ذکرِ دوام وغیرہ فرائضِ ولایت،اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہیں۔جو لوگ آپؑ کی تصدیق سے مشرف ہو چکے،اُن میں کے ہر فرد پر بلا امتیاز،فرض ہے کہ اس پر عمل کرے۔ اس "صلاح و اصلاح" کے اختیار کرنے کی ذمہ داری پوری قوم پر عاید ہوتی ہے۔قوم کے ہر فرد پر لازم ہوتا ہے کہ صورت کے اعتبار سے،سیرت کے اعتبار سے،عبادات و معاملات اور فرائضِ ولایت کے اعتبار سے بلحاظِ اتباع،اپنی اپنی ذمہ داری کا جائزہ لے۔صرف دوسروں پر اعتراض و تنقید فرض سمجھ لینے اور "نظم و نثر" میں افسانوی فن کے مظاہروں سے،جن میں بے حقیقت مبالغہ آرائی زیادہ ہوتی ہے،کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرد اور معاشرہ کی تنظیم کے لیے جن اعلیٰ اُصول کی تعلیم دی ہے اُس کا بیان آگے آئے گا۔ہر فردِ قوم،کم از کم جس حد تک جو جانتا ہے اُس پر عمل کے لیے کمربستہ ہو جائے تو آج بھی اِس قوم کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔بلکہ پوری دنیا کے لیے ہدایت و رہبری کا فرض، اس قوم سے انجام پا سکتا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ☆☆☆ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

حاصلِ کلام یہ کہ مذہبِ مہدویہ میں جہادِ اصغر کی شق،جہاد باللسان والقلم کی بھی تعلیم موجود ہے جس کا ثبوت،بیانِ قرآن کی اعلیٰ خصوصیت اور تبلیغ و مدافعت کے اُصولی لٹریچر سے ہو سکتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے قومِ مہدیٔ موعودؑ کی صفات میں یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اللہ کے راستے میں جہاد کرینگے) بھی فرمایا ہے،اس لیے

مذہبِ مہدویہ میں، جہاد بالنفس ہو یا جہاد بالسیف، جہاد بالمال ہو یا جہاد باللسان والقلم، جہاد کی ہر نوعیت کے احکام ومسائل، عزیمت وعالیت کے معیار پر موجود ہیں۔

واضح ہو کہ بعض احکام پر عمل، شرائط کے تابع ہوتا ہے، جیسے کہ جہاد بالسیف کے احکام ہیں۔ ورنہ ہر فرد پر فرض ہو جائے گا کہ کلمہ پڑھکر داخلِ اسلام ہوتے ہی شمشیر بکف ہو کر مشرکین وکفار کا قتلِ عام شروع کر دے۔ حالانکہ یہ نقلاً درست ہو سکتا ہے نہ عقلاً۔

اسی طرح ہر مہدوی پر، تصدیقِ امامناعلیہ السلام سے مشرف ہوتے ہی، جہاد بالسیف کی شرائط پوری ہوں یا نہ ہوں، مشرکین وکفار کا قتلِ عام کرنا، فرض نہیں ہو جاتا۔ اسی لیے جہاد کی جس نوعیت پر از روئے احکامِ دین، عمل لازم ہو جاتا تھا، اس پر بدجۂ کمال عمل ہوتا رہا ہے۔ جس کا ثبوت کتبِ سیر وتواریخ سے ہو سکتا ہے۔

لیکن "ہدیۂ مہدویہ" کے صفحہ (136) پر جو الزام عائد کیا گیا ہے، ناظرین کی معلومات کے لیے اس کا خلاصہ نہایت افسوس کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:-

"حضرت مہدی علیہ السلام نے ابتدائے مہدیت سے تادمِ آخر نَعُوْذُ بِاللّٰہ کبھی سنتِ جہاد پر عمل نہیں کیا۔ اور خلفاء نے بھی جہادِ کفار نہیں کیا۔ بلکہ حکامِ اسلام سے بغاوت کر کے مسلمانوں سے قتال وجدال برپا کیا۔"

جہاد بالقتال اور اس کے متعلقات کے احکام وشرائط کا اس سے پہلے جو تفصیلی بیان ہوا ہے، اس کی روشنی میں اس غلط الزام سے ہر منصف مزاج، صاحبِ فہم وصاحبِ علم پر واضح ہو جاتا ہے کہ محض غلبۂ عناد کی وجہ فہمِ رموزِ مہماتِ دین سے محرومی نصیب ہوئی ہے۔

"ہدیۂ مہدویہ" میں ایسے ہی بے بنیاد، بے شمار الزامات واعتراضات موجود ہیں، جن کے بادلایل جوابات، ماضی میں ضخیم جلدوں میں ادا ہوئے اور حال ومستقبل میں بھی اقتضائے زمانہ کے مطابق، ارتقائے استدلال سے ادا ہوتے رہیں گے۔ یہ بھی ایک مذہبی بنیادی حق ہے، جس کے ادا ہونے سے اہلِ مذہب کو معلومات کا اور اہلِ تحقیق کو حقیقی صورتحال کے علم کا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

جس طرح کہ اسلام اور پیشوائے اسلام، خاتم الانبیاء ﷺ کی شانِ مبارک میں عاید کیے گئے الزامات واعتراضات کے جوابات ہر دور میں بر موقع ادا کیے جاتے رہے اسی طرح قیامت تک یہ مذہبی بنیادی حق بھی ادا ہوتا رہے گا۔

حسبِ آئیہ کریمہ، قومِ مہدیٔ موعودؑ کی صفات کے منجملہ ایک صفت "یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" کا بیان جاری ہے۔ اس لیے اس ضمن میں وارد شدہ الزامات واعتراضات کا تذکرۂ دفعیہ بھی ضروری ہوا تا کہ ناظرین کو مَالَ وَمَاعَلَیْہ سے واقفیت کا موقع ملے۔

"ہدیۂ مہدویہ" کے مذکورہ الزامات کو یا تو جہلِ مرکب کہا جا سکتا ہے یا معاندانہ ظلم وعدوان اور عمداً دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے والا عصیان، کیوں کہ ولو بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کوئی سبب یا کوئی شرط پائی جائے یا نہ پائی جائے، جہاد بالسیف اختیار کرنا، احکامِ اسلام کی خلاف ورزی میں داخل ہے، تو یہی الزام خود مولفِ "ہدیۂ مہدویہ" پر اور تمام مسلمانوں پر بھی عاید ہو جائے گا۔

اکابرِ اولیائے کرام رحمہم اللہ مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد القادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے جہاد بالسیف اختیار کرنے کی کوئی روایت، کسی تذکرۃ الاولیاء یا کسی مستند تاریخی کتاب میں نہیں ملتی؟

حالانکہ مسلمان بادشاہوں کی کئی جنگیں، راجاؤں وغیرہ، غیر مسلم رؤساسے، مملکت کے لیے ہوتی رہی ہیں۔ بلکہ خود مسلمان بادشاہ، دوسرے مسلمان

بادشاہوں سے محض سیاسی بنیاد پر جنگ کرتے رہے، وہ مسلمان بھی جو اُن افواج میں ملازم ہوتے تھے، بہ حیثیتِ ملازم، اُن جنگوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ لیکن یہ ثابت کیوں نہیں کیا جاسکتا کہ جلیل القدر اولیائے کرام رحمہم اللہ نے اُن مملکتی سیاسی جنگوں کو "جہاد" قرار دیا ہو، یا اپنے مریدوں کو ایسی جنگ میں "جہاد" سمجھ کر حصہ لینے کا حکم دیا ہو۔!!!

بلکہ اِس کے بر خلاف، غیر مسلموں کے ساتھ بھی اولیائے کرام رحمہم اللہ کا روادارانہ سلوک جو ہوتا تھا اور اِس کی جو تاثیرات ہوتی تھیں، محتاجِ بیان نہیں، ماننا لازم ہو جاتا ہے کہ اولیائے کرام کا یہ طریقہ تبلیغ، آئیہ "لا اکراہ فی الدین" اور اُسوۂ رحمته للعالمین ﷺ و اُسوۂ صحابۂ کرامِ نبوت رضی اللہ عنہم کے کماحقہٗ، اتباع کا مظہر تھا۔!!!

اکابرِ اولیائے کرام رحمہم اللہ، عشق و محبتِ الٰہی کی تبلیغ فرماتے رہے اور تزکیہ و تصفیۂ نفس و قلب کے لیے ایسے طریقوں سے رہنمائی فرماتے رہے کہ "جہادِ اکبر" یعنے جہاد بالنفس کے اُن "علوم معاملہ" کے طفیل، اِس درجہ "اصلاح" ہو جائے کہ "علومِ مکاشفہ" کے انوار کی "صلاح" سے منور ہو سکیں، جن کا حصول ہر مومن مرد و عورت کے لیے فرضِ عین ہے۔

اُن اولیائے کرام رحمہم اللہ کی شان میں بھی یہ گستاخی ہر گز نہیں کی جاسکتی کہ وہ قدسی صفات ہستیاں بھی "جہاد بالسیف" سے نَعُوْذُ بِاللّٰہ قاصر و محروم رہی ہیں۔!!! اس لیے کہ از روئے، شرائطِ شرعیہ، جہاد بالسیف فرض ہو جانے کے حالات سے اُن بزرگوں کو بھی سابقہ نہیں ہوا تھا۔

"جہاد" کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اُن سے ظاہر ہو چکا کہ "جہاد بالسیف" فرض ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں۔

1- جو مقدس ہستیاں، خلافتِ الٰہیہ پر فائز تھیں اور جن کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے یا بلا واسطہ، راست ذاتِ باری تعالیٰ سے احکام و تعلیمات کا شرف حاصل ہوتا تھا، اُن ہستیوں پر جب، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا، جہاد بالسیف، فرض ہو جاتا تھا۔

2- جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے ہیں، اُن پر جہاد بالسیف اُس وقت فرض ہو جاتا ہے جب کہ حالات پر جہاد کے احکام و شرائطِ شرعیہ کا اطلاق منطبق ہو جائے۔

اس اُصول کے مطابق، خلیفۃ اللہ مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر "جہاد بالسیف" اُس وقت فرض ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا، اور مہدویوں پر اُس وقت فرض ہو گا جب کہ "جہاد بالسیف" کی ضرورت کا فتویٰ ہو جائے۔!!!!

نیز مہدوی، اِس فرض کی تعمیل کے لیے اپنی قومی و مذہبی، انفرادی، خصوصیت کو محدود، رکھنا بھی اِس موقع پر ضروری نہیں سمجھتے، جب کبھی مسلمانوں کی جانب سے از روئے احکامِ شرعیہ، عَلَمِ جِہَادْ بلند ہو جائے، ہر مہدوی اس میں حصہ لینا اور ہر ممکن ایثار کرنا، اپنا فرض قرار دے گا۔

اس سے بخوبی متبادر ہو سکتا ہے کہ مہدویوں کے لیے جہاد بالسیف کی تعمیل کا دائرہ کس قدر وسیع کیا گیا ہے۔ اور اس سے مذہبِ مہدویہ میں "یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" کی جو شانِ عظمت عیاں ہو رہی ہے مزید تشریح کی محتاج نہیں رہی۔!

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور اکابرِ مہدویہ رحمۃ اللہ علیہم پر حکامِ اسلام سے بغاوت کرنے اور مسلمانوں سے قتال و جدال برپا کرنے کا الزام بھی سراپا بے بنیاد ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی حکومت پر جب تک حکومتِ اسلامیہ ہونے کا اطلاق شرعاً درست نہ ہو، اِس حکومت کے حاکموں کو، "حکامِ اسلام" کہنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ البتہ مسلمان حاکم کہا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی دور کی حکومتِ وقت سے مہدویوں کی بغاوت کا کوئی تاریخی واقعہ ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔اِس لیے بغاوت کا الزام ہی سراسر اِفترا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مہدویوں کے خلاف، قتل کے باطل فتوئے جاری کیے جارہے ہوں اور مسلم حکومتوں میں رسوخ و اقتدار حاصل رہنے کے زعم میں ناحق، طاغوتی طاقت کے مظاہرے کیے جارہے ہوں، قید کیا جارہا ہو، قتل وغارت گری کی جارہی ہو، مساجد اور بستیاں برباد کی جارہی ہوں، فوج کشی کی جارہی ہو، دیوار میں زندہ چنوادیا جارہا ہو، کوے کے پنجوں کی شکل کی سیخیں گرم کرکے پیشانیوں کو داغ کر شہید کیا جارہا ہو، جبر واستبداد کے ہر ممکن طریقوں سے مہدویوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہو، مذہبی آزادی کا بنیادی حق نہایت ہی ظالمانہ طریقوں سے تلف کیا جارہا ہو، تو ایسی صورتوں میں حتی المقدور مدافعت، ازروئے احکامِ اسلام لازم ہو جاتی ہے۔اِس افسوسناک تاریخ کا تاریک ترین پہلو تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ، مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں ہی میں، مسلمان حاکموں سے دنیادار علماء و قاضیوں کے اشاروں پر ہوتا رہا۔

جب کہ قرآنِ مجید میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں پر مظالم کی مدافعت کرنے کا صاف وصریح حکم موجود ہے، تو "سَدَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی ان صورتوں میں ہر ممکن مدافعت، بدرجۂ اولیٰ فرض ہو جاتی ہے۔ اس مدافعت کو بغاوت سے تعبیر کرنا، رموزِ مہماتِ دین سے ناواقفیت اور محض عصبیتِ جاہلیہ کی بین دلیل ہے۔

سیرت و تاریخ کی قومی کتابوں کے علاوہ دوسرے مورخین کے بیانات سے بھی اِس امر کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے طفیل آپؑ کے صحابہؓ و تابعین وغیر ہم رحمہم اللہ نے انتہائی مشکل صورتوں میں بھی نہایت ہی جراءت وشجاعت اور نہایت ہی ارفع و اعلیٰ صبر واستقامت سے احکامِ دین کی پابندی فرمائی ہے۔اور یہ سب متوکل علی اللہ تھے۔زر و دولت سے ملوث اور ناحق جنگ یا بغاوت کے لیے اسبابِ حرب سے مسلح نہیں رہتے تھے۔فقر وفاقہ اور ہجرت کی زندگی تھی۔دن اور رات کا کوئی لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خالی نہ گزرتا تھا۔مقصودِ عبادت و ریاضت، اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طلب کے سوائے کچھ نہ تھا، صرف اللہ سے کام تھا، ماسوی اللہ سے سروکار نہ تھا۔ اور اسی سبیل اللہ والخاتمینؑ کی رہنمائی سے دوسروں کو مشرف کرنے کا فرض بھی انجام دے رہے تھے۔

امن ورحمت کی حامل ایسی باخدا جماعت پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ اللہ کی پناہ! ایسے ناقابلِ برداشت مظالم کی صورت میں بھی دولتِ ایمان کی جس طرح حفاظت کی گئی ہے، قومِ مہدیٔ موعودؑ کی صفت اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (مؤمنین پر نرم اور کافروں پر غالب رہیں گے) کے بیان میں مختصراً اِس سے قبل اس کا ذکر کیا جاچکا ہے، جو منصف مزاج اور تحقیق کی طلب والے ناظرین کے لیے کافی ہے۔

انتہا یہ ہے کہ فوج کشی کی مدافعت، جنگ سے کرنے کا موقع ہوا تو، ایسے مشکل ترین حالات میں بھی "آدابِ جنگ" کے متعلق احکامِ اسلام کی پابندی میں حتیٰ کہ جنگ میں پہل نہ کرنے کی اسلامی اہم خصوصت کی پابندی میں بھی سرِ مو فرق نہیں آنے پایا۔

چنانچہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے حملہ آور افواج کے مقابلہ میں اپنی طرف سے پہل نہ ہونے کی احتیاط کے لیے آخری اتمامِ حجت کی خاطر، میدانِ جنگ میں دشمن کی صفوں کے مقابل سے اپنے گھوڑے کا رخ بھی پھیر دیا تھا۔!!!

ایسی عدیم المثال، بدیہی شہادت کے بعد، بغاوت کا الزام غلط اور محض افترا ثابت کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہی۔

بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آپؓ نے مدافعت کے اقدام کا فیصلہ کرنے سے قبل، مسلمانانِ بادشاہِ وقت کی حکومت میں رسوخ واقتدار کے حصہ دار،

مہدویوں کے قتل کا فتویٰ نافذ کرنے اور قتل کروانے والے علماء ہی سے اِس کے خلاف فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جس کی تفصیلات قومی کتابوں میں مذکور ہیں۔

ناظرین کی واقفیت کے لیے صرف ایک مکتوب کا ترجمہ ملحضاً درج کیا جاتا ہے جو "شیخ الاسلام" کا عہدہ رکھنے والے ملا سید کبیر کے نام حضرت سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے روانہ فرمایا تھا۔

مکتوب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَسۡبُنَا اللّٰہَ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ۔

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ ۙ﴿39﴾ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ؕ وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا ؕ وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿40﴾ (سورۃ الحج۔ 39-40)

ترجمہ:- یعنے اُن لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے کیوں کہ وہ ظلم کیے گئے ہیں۔ اور بے شک اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ محض اتنی بات پر کہ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض کے ظلم کو بعض سے دفع نہ کرتا تو صومے، گرجے، معابد اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر، کثرت سے کیا جاتا ہے مسمار کر دیئے جاتے۔ اور البتہ اللہ اُس کی ضرور مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے، بے شک اللہ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

اس آیت کا مطلب تفسیر کی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ اور اہلِ باطن کے قلوب پر بھی منکشف اور واضح ہو چکا ہے، اس لیے تفسیر نہیں کی گئی ہے۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کو مؤمنین کے دلوں کی تسلی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ کیوں کہ وہ کمزور اور تعداد میں کم تھے، اِس لیے کافروں کے پنجۂ ظلم سے مؤمنین کو امن و سکون حاصل نہیں تھا۔ ظالموں کی اَذیتوں میں ہمیشہ مبتلا رہتے تھے۔ حتٰی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ میں خاص طور پر اُن مومنوں کی نصرت کی بشارت دی گئی ہے جن پر ناحق اور ناواجبی سختیاں، اِس لیے عاید کی گئی تھیں کہ وہ یہی کہتے تھے کہ "رَبُّنَا اللّٰہُ" اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ اور اُن کا تصور یہی تھا کہ اِس مقامِ توحید پر قولاً، فعلاً و اعتقاداً ثابت قدم تھے۔

حاصل یہ کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے خاص طور پر اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی مظلومیت کی وجہ سے اُن کی نصرت کا وعدہ فرمایا، جو اُن کے حق میں پورا ہوا۔ پس قرآنِ مجید، فرقانِ حمید سے معلوم ہوا کہ صدقہ خوارانِ رسول ﷺ نے جن کو اپنی مظلومیت کا سامنا ہو، اور ناحق، اقسام کی اذیتوں میں مبتلا ہوں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اِس وعدہ کے اُمیدوار رہیں گے۔ اگرچہ کہ یہ وعدہ خاص اصحابِ رسول ﷺ کے حق میں ہوا ہے۔ لیکن تبعاً تمام مؤمنین کے حق میں بھی یہ وعدہ پورا ہو سکتا ہے۔ اِس لیے ہم بھی اُمیدوار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی مظلوموں میں شمار کرے گا۔ اور ہم کو بھی اہلِ نصرت میں شامل فرمائے گا۔

معلوم ہو کہ جس روز سے حضرت سید محمد مہدی علیہ السلام نے خلایق کو خدا کی طرف بلایا، خلایق سے جو لوگ آپؑ کے دشمن ہو گئے، اُن سے

حضرتؑ نے یہی فرمایا کہ مخالفت کا سبب کیا ہے معلوم نہ ہو سکا کیوں کہ اگر میں غلطی پر ہوں، تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ بحکم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔۔۔(سورۃالحجرٰت۔10) (بے شک مؤمنین آپس میں بھائی ہیں) باہم متفق ہو کر کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ ۔۔الخ(سورۃالنساء۔59) (اگر تم میں کسی مسئلہ میں باہم اختلاف واقع ہو جائے تو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف رجوع کر دو۔) پس ہم دونوں فریق سے جو کوئی کتابِ خدا واتباعِ رسولِ خدا سے باہر ہو، اُسے توبہ کا حکم دیں۔ اور اگر وہ اپنی بات پر اڑ جائے تو واجب القتل ہے۔

آج پچیس سال سے حضرت سید محمد مہدئ موعود علیہ السلام اور آپؑ کی پیروی کرنے والے یہی کہہ رہے ہیں کہ مسلمانو! اگر ہم میں کوئی شرعی قصور (جس سے ایمان میں خلل واقع ہو) پاؤ تو منصفانہ علمی جہت سے ہم کو قائل معقول کرو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو تم خدائے تعالیٰ کے پاس ماخوذ ہوں گے۔ آج تک کسی نے ہم کو "علمی حجت یا دلیل" سے قائل معقول نہیں کیا۔ ہاں البتہ یہ تو ہوتا ہے کہ سلطنت کے قاہرانہ غلبہ سے صرف عوام موذیوں کے روبرو ہم پر بدعت، گمراہی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور اِس کے علاوہ بعض کو اخراج اور بعض کو اقسام کی ایذ و تکلیف دی جاتی ہے۔ تمہارے اس طرزِ عمل کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ کوئی انصاف کرنے والا نہیں، تمہارے ظلم کا یہاں تک غلو ہو گیا ہے کہ ہم پر بدعت وضلالت اور اخراج و قتل کے فتاویٰ لکھ لکھ کر بادشاہوں کو بھجوائے اور وہاں سے فوج منگوا کر ہماری مسجد و مکانوں کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا۔ ایسی صورت میں ہم کو بھی مظلوموں کی یاری و مددگاری، تمہارے ہی فتویٰ کے مطابق (جو کہ تم نے ہمارے استفتاء کے جواب میں دیا ہے) بحکم یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللہِ ۔۔۔۔۔۔۔ الخ (سورۃالصف)14 (اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ) لازم ہے۔ اور ہم نے تمہارے دستخطی فتویٰ کے مطابق، موذیوں کا قتل کرنا، تعمیلاً اختیار کیا ہے۔ ہم کو نہ مال سے کام ہے نہ ملک سے۔۔ جو شخص بے وجہ ہمارے قتل کا فتویٰ دیتا ہے، اُس کو قتل کریں گے۔ ہم اِس سے پہلے بھی تم کو تحریری اطلاع دے چکے ہیں کہ تم ظالموں کے مانع ہو جاؤ اور اُن کو ظلم سے روک دو۔ لیکن تم نے اِس کی کچھ بھی پروا بھی نہیں کی۔ اب اِس وقت بھی ہم کہتے ہیں کہ ظالموں کو ظلم کرنے سے روک دو۔ ورنہ ہم پر لازم ہو گیا ہے کہ مظلوموں کی مدد کریں اور اپنی جان خدا کی راہ میں دے دیں۔ والسلام"

یہ خط اپنے خلیفۂ خاص حضرت بندگی ملک الٰہداد رضی اللہ عنہٗ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ اِس سے عدل وانصاف کی صراطِ مستقیم اختیار کرنے کی بجائے، بہت بڑے پیمانہ پر ظلم وعدوان کے منصوبے بنائے گئے۔

بدلتی ہے جس وقت ظالم کی نیت ☆☆☆ نہیں کام آتی دلیل اور حجت

گجرات کے نوجوان اور ناتجربہ کار بادشاہِ وقت ظفر کو ورغلایا گیا کہ سید خوندمیرؓ نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی ہے۔ بادشاہ کو لازم ہے فوراً اُن کو قتل و تاراج کر دے۔ مہدویوں کا نام ونشان مٹا دے۔ ورنہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی قوت اتنی بڑھ جائے گی کہ شاہی قلعے اُن کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ حتٰی کہ سلطنت ہی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہ سن کر بادشاہ گھبرا گیا۔ اپنی افواج سے سپاہ گری کے ماہر اور تجربہ کار سپاہیوں کی منتخب فوج روانہ کرنے کا حکم دے دیا۔ جس میں مغفر وجوشن (فولادی ٹوپی اور زرہ) سے لیس، سولہ ہزار سوار اور سازوسامانِ جنگ اور ہتیاروں سے مسلح، چوبیس ہزار پیدل، جن میں رومی آفریقی چست وچالاک جنگجو بھی شامل تھے۔ اٹھارہ جنگی ہاتھی اور توپوں کو بھی شامل رکھا گیا۔ اِس کے علاوہ سینکڑوں مسلح عوام کا کثیر ہجوم بھی ساتھ ہو گیا تھا۔

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت سید خوندمیرؓ کے مکتوب سے مہدویوں کی مظلومیت اور آپؓ کی کسرِ نفسی و خدا پرستی عیاں ہو رہی ہے۔ اور صاف واضح ہو رہا ہے کہ آپؓ نے مدافعت میں جو کچھ اقدام کیا، غلبۂ نفسانی یا جوشِ غیض و غضبِ انسانی سے نہیں تھا۔ اور نہ مال و دولت کا حصول یا سلطنت کے اقتدار کے لیے بغاوت مقصود تھی۔ بلکہ بے انتہا ظلم کی وجہ سے اتمامِ حجت کے طور پر اُن علماء ہی سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد مدافعتی اقدام کا فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم مشرکین و کفار کے مقابلہ کے لیے بھی اگر جہاد بالسیف کے حالات و اسباب پیدا ہو جاتے یا فتویٰ جاری کیا جاتا کہ مشرکین و کفار سے جہاد فرض ہو گیا ہے، اور عَلَمِ جِہَادْ مسلمانوں کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو، بلند کر دیا گیا ہوتا تو یقیناً بالضرور، اِس جہاد میں بھی بدرجۂ کمال، اپنا حصہ ادا کیا جاتا۔

لہٰذا مشرکین و کفار سے جہاد بالسیف نہ کرنے کا مہدویوں پر الزام عاید کرنا بھی جہادِ اسلامی کے احکام کے لفظاً و معناً، قطعاً مغائیر و منافی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ امامناعلیہ السلام اور آپؑ کی قوم کی مخالفت میں ناحق الزامات عاید کر کے عوام کے خیالات گمراہ کرنے کی عمداً، عناداً کوشش کی گئی ہے۔

حالانکہ آیات و احادیثِ شریفہ سے ثابت ہے کہ جس طرح کسی حد سے زیادہ تعریف و توصیف اور خود غرضانہ و خوشامدانہ مداحی، اخلاقِ اسلام میں صدق و تقویٰ کے صریحاً خلاف ہے، اِسی طرح طعن و تشنیع و تہزو، ہزل و ہجو و افترا اور محض بغض و عداوت کے جذبۂ نفسانیت میں دوسروں کو کسی کے بارے میں غلط فہمیوں میں مبتلا کر دینے کی بھی سخت ممانعت ہے۔ اللہ و رسولؐ نے ایسی بداخلاقیوں کو تقویٰ و صادقیت کے بالکل خلاف قرار دیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز (سورۃ المآئدۃ۔8)

ترجمہ:- کسی قوم کا بغض تمہیں اِس بات پر نہ اُکسادے کہ تم اس کے باب میں عدل سے ہٹ جاؤ۔ تم انصاف پر قائم رہو۔ یہی بات تقویٰ سے قریب ترین ہے۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے تین لاکھ مریدیں تھے۔ دوسرے کثیر التعداد جلیل القدر صحابۂ مہدیٔ موعود علیہ السلام کے بھی ہزاروں مریدیں تھے۔ جن میں علماء و رؤسا، مقربینِ دربارِ سلطانی، سیول اور فوج کے بڑے بڑے عہدہ دار اور ہزارہا نامور سپاہی وغیرہ سب ہی تھے۔ مادی اعتبار سے اتنی عظیم طاقت رکھنے والی شخصیت، اگر سیاسی غلبہ چاہتی یا بغاوت پر آمادہ ہو جاتی تو جنگ کا نقشہ کیا ہوتا؟ اور تاریخ میں کس کارنامہ کی یادگار رہ جاتی؟ اہلِ نظر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

یہاں تو حسن قبیحِ عقلی پر نہیں بلکہ حسن و قبحِ دینی پر عمل تھا۔ یعنے کسی کام کو اچھا یا برا قرار دینے کا معیار محض عقل یا نفس نہیں بلکہ صرف احکامِ دین تھا۔

شریعتِ محمدؐیہ اور تعلیماتِ مہدی علیہ السلام میں جس کام کا حکم موجود ہوتا اُسی کو اچھا اور جس کام کو برا قرار دیا گیا ہو اُسی کو برا سمجھتے تھے۔

حضرت سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک شعر جو اس سے قبل پیش کیا جا چکا ہے، اس کے مطابق عمل تھا کہ۔

بے حکمِ شرع آب خوردن خطا ست ☆☆☆ و گر خوں بفتویٰ بریزی روا ست

یعنے شرع کے حکم کے خلاف پانی پینا بھی خطا ہے۔ اگر شرع کے حکم سے خون کرنے کا فتویٰ ہو جائے تو خون ریزی روا ہے۔

مہدیٔ موعود علیہ السلام کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، بحورِ عشقِ الٰہی کے غواص اور میدانِ صبر و رضائے الٰہی کے شہسوار تھے، جذبۂ نفسانیت

یا نفسِ امارہ کو دخل در دینیات سے باز رکھنے میں کمالِ قدرت رکھتے تھے۔ صلاح و اصلاح کے سوائے کوئی اور مقصودِ زندگی نہیں تھا۔ اس لیے اُن پاکانِ خدا سے احکامِ جہاد کی خلاف ورزی، نفسِ امارہ اور غیض و غضب کا ظہور ہر گز ممکن نہیں۔

(اخبار دعوت دہلی سہ روزہ مورخہ 19 / رمضان 1387ھ مطابق 22 / ڈسمبر 1967 میں "گجرات میں مہدوی تحریک" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے، اُس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار سے خلافِ واقعہ باتیں عمداً درج نہیں کی ہیں۔ بلکہ صحیح مواد کی فراہمی میں ناکامیاں اور استخراجِ نتائج میں خامیاں، ان غلطیوں کا بنیادی سبب ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ "صلاح و اصلاح" کی احکامِ جہاد کی گزشتہ سات اقساط سے اور اس قسط (19) سے اُس مضمونِ مذکور الصدر کی مندرجہ کئی باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ اقساط میں مزید خلافِ واقعہ باتیں صاف ہوں گی۔

تخمیناً 24 / سال قبل کی مشہور و معروف شخصیت نواب بہادر یار جنگ مرحوم کے متعلق غلط معلومات اس مضمون میں درج ہیں اِس لیے پانچ سو سال قبل کی واقعہ نگاری، معیارِ تحقیق پر پوری نہ اترنا، کوئی تعجب کے قابل بات نہیں۔ اس لیے مقالہ نگار صاحب کا راست جواب غیر ضروری سمجھا گیا۔

مقامِ غور ہے بلکہ مقامِ عبرت ہے کہ سرکاری عظیم فوج حملہ آور ہونے کی اطلاعات آپ کو برابر مل رہی تھیں، اِس کے باوجود آپ کے اطمینان اور ملکۂ وقار و سکینہ کا یہ عالم تھا کہ مدافعت کے لیے اپنے ہی دائرہ کی حدود میں صرف انہی ساٹھ (60) عدد سواروں کو کافی قرار دیا۔۔۔ جو بے سر و سامان اور متوکلین علی اللہ، طالبانِ خدا فقراء تھے۔

اس سے ہر انصاف پسند آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ بغاوت کا منصوبہ رکھنے کی یہ صورت قطعاً نہیں ہو سکتی۔ نہایت واضح اور بدیہی دلیل تو یہ ہے کہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے ابتداً میدانِ جنگ میں گھوڑوں کا منہ جو پھیر لیا تھا، دشمن افواج کی مادی برتری کے احساس سے نہیں بلکہ اس نوبت پر بھی آپ، اپنی بے گناہی کی حجت آخری دفع پوری کر دینا چاہتے تھے اور جنگ میں پہل نہ کرنے کا منشاءِ خداوندی، آئیہ کریمہ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ۔۔۔ الخ (سورۃ البقرہ) 190 (یعنی جو لوگ تم سے جنگ کریں اللہ کے راستہ میں تم اُن سے جنگ کرو) سے جو ظاہر ہوتا ہے اُس کی کماحقہ تکمیل مقصود تھی۔ تاکہ عند الناس بھی اپنی مظلومیت آشکار ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ ہم ناحق قتل و خون نہیں چاہتے ہیں۔ ہم تو --- صَدُّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (سورۃ النسآء) 167 بننے سے باز رہنے کی طرف مسلسل آگاہ کر رہے ہیں۔۔۔!

حقیقت تو یہ ہے کہ اِس واقعہ کا راز ہی حضرت مہدی علیہ السلام کی صداقتِ مہدیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور جنگِ بدر کے اعجاز کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اِس ضمن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے دو فرامینِ مبارک کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔:-

فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا (سورۃ اٰل عمران۔195)

ترجمہ:- جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو لوگ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستہ میں اذیت دیئے گئے اور قتل کیے اور قتل کیے گئے۔

آئیہ شریفہ کی مذکورہ چار صفات مومنین کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ اِس کے ضمن میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کی۔

(1) یا اللہ! چوتھی صفت جو باقی رہ گئی ہے اگر مجھ پر پوری ہو جائے تو اُس کے لیے راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان پہنچا کہ اے سید محمد! ہمارے علمِ ازلی میں یہ ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء پر کوئی شخص قادر نہ ہو۔ اور تلوار کارگر نہ ہو۔ پس ہم نے تجھ کو خاتمِ محمدیؐ بنایا ہے۔ اِس لیے ہم نے تیرا بدل سید خوندمیرؓ کو قرار دیا ہے۔ اِسی بنا پر حضرت امام علیہ السلام نے میاں سید خوندمیرؓ سے فرمایا کہ یہ کام تم سے ہونے والا ہے۔ (مطلع الولایت،

تاریخ سیلمانی جلد2 وغیرہ)

(2) حضرت مہدی علیہ السلام نے حضرت سید خوندمیرؓ کو مخاطب کرکے اِرشاد فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ جو سمیع و بصیر و علیم حقیقی ہے تم کو (سید خوندمیر کو) لایق اور قابل بناکر یہ بارِ ولایت تم پر رکھا ہے۔ لیکن ہشیار رہو کیونکہ یہ ولایتِ محمدؐیہ کا بار ہے۔ سر جائے گا۔ کمر ٹوٹے گی۔ پوست کھینچا جائے گا۔ اُس وقت صرف اپنے خدا ہی سے مدد چاہنا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر اُس (جنگ کے) روز تم اپنی ذات سے تنہا ایک طرف ہو۔ اور تمام دنیا (تمہارے مقابلے میں) دوسری طرف ہو تو انشاءاللہ تعالیٰ! تمہاری ایک ذات کے مقابلہ میں یہ سب ہزیمت اٹھائیں گے۔ یہ میری "مہدیت کا معجزہ ہے"۔ جیسا کہ جنگِ بدر، نبوتِ پیغمبر ﷺ کا معجزہ تھی۔

"نورِ حیات" جلد 3 / شمارہ 11 / 12، / ماہِ سپٹمبر و اکٹوبر 1964 میں "مغیبات" کی چھٹی و آخری قسط میں ہم نے اُن روایات کی ضروری اور اہم توضیحات بیان کی ہیں۔ اس لیے اُن کا اعادہ موجبِ طوالت ہو گا۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کو اِن فرامینِ واجب الایمان والاذعان پر یقینِ کامل تھا۔ کیوں کہ امام علیہ السلام نے یہ نکتہ بھی واضح فرمادیا تھا کہ اُس "معرکۂ بدرِ ولایت" میں تمہاری حیثیت اِس بندہ کے بدل کی ہو گی۔ اور بندگی میاںؓ نے فراہ مبارک علاقۂ خراسان میں دیکھ بھی لیا تھا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کو کس قدر غیبی طاقت حاصل تھی۔ چنانچہ تفصیلی روایت جو اکثر صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے، اُس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:-

"حاکمِ فراہ، میر ذوالنون نے شوکتِ سلطنت و دبدبۂ لشکر کے ساتھ آپؑ کے دعوئے مہدیت کی تحقیق کے لیے آپؑ کے دائرہ معلّٰی میں فوج کے

(نوٹ:- تنظیمِ دائرۂ مہدیت کی تعمیر کی خمیر میں شامل تھی۔ اس لیے مہدئ موعودؑ کے عہدِ مبارک ہی سے دائرہ بندی جاری تھی۔ یہ کہنا کہ حکومت اور ظالموں کے جبر و استبداد کی وجہ سے خوف یا شکست خوردہ ذہنیت کے باعث مہدویوں نے دنیا سے کٹ کر دائروں میں اپنی زندگی محدود کرلی تھی۔ تاریخِ مہدویہ کے حقایق سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔!!)

محاصرہ کے بعد قدم رکھا تو پہلی ہی نظر میں یہ دیکھ لیا کہ غلبہ و دبدبۂ سلطنت کا آپؑ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بیانِ قرآن کی مجلس تھی۔ بیانِ مبارک میں کوئی خلل یا فرق نہیں ہوا۔ حاضرین اِس قدر انہماک و استغراق سے بیانِ قرآن سماعت کررہے تھے کہ کسی نے بھی میر ذوالنون کے جیسے صاحبِ دبدبہ حاکمِ اعلیٰ کی آمد کی طرف توجہ نہیں کی۔ سرکاری ملازمین، حاضرینِ مجلس کو ہٹا کر راستہ بنانے کی کوشش کررہے تھے۔ تاکہ میر ذوالنون کو حضرتؑ کے قریب پہنچ کر بیانِ قرآن سننے کا موقع ملے۔ مہدی علیہ السلام نے یہ دیکھ کی اِرشاد فرمایا:-

"میر ذوالنون! جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔ میر ذوالنون وہیں بیٹھ گئے۔

ختمِ بیان کے بعد میر ذوالنون قریب ہوئے۔ دعوئے مہدیت کے بارے میں تحقیق کی ہر طرح مطمئن ہونے کے بعد آخری دلیل یہ قرار دی کہ مہدئ موعودؑ پر تلوار اثر نہیں کرسکتی۔ امامناعلیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تلوار کا کام کاٹنا ہے۔ پانی کا کام ڈبونا ہے، آگ کا کام جلانا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ مہدئ موعود پر دنیا کی کوئی قوت غالب نہیں آسکتی۔ چاہتے ہو تو آزمالو۔

میر ذوالنون نے تلوار بے نیام کرلی۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنے باڈی گارڈ حبشی کو حکم دیا کہ تلوار چلائے۔ جب تلوار کا ہاتھ بلند ہوا تو غیبی طاقت سے ہاتھ بلند کا بلند ہی رہ گیا۔ وار کرنے پر قدرت نہ ہوسکی۔ تین بار کی کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ اِس موقع پر میر ذوالنون اور علماء اور عوام کی کثیر تعداد نے آپؑ کی تصدیق و بیعت کا شرف حاصل کیا۔

اطاعت قبول کرنے کے بعد حضرت میر ذوالنون نے عرض کیا جو کوئی بھی مہدئ موعودؑ کی مخالفت کرے گا بندہ تلوار کے زور سے اُس کا خاتمہ کرے

گا۔ ہر ممکن طریقہ سے مہدیٔ موعودؑ کی تائید و نصرت کرے گا۔ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ میر ذوالنون! مہدی اور دینِ مہدی کا ناصرِ حقیقی تو صرف خدا ہی ہے۔ تم اپنے نفس پر تلوار چلاؤ تا کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر دے۔ خدا کا مقرب بندہ بن سکو اور انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کے دیدار سے مشرف ہو سکو۔"

اگر آپؑ مہدیٔ موعودؑ برحق نہ ہوتے، تائیدِ غیبی آپؑ کے ساتھ نہ ہوتی تو آپؑ اِس عظیم مادی طاقت کا سہارا لینے سے دریغ نہ فرماتے۔ اِس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سیاسی غلبہ یا ناحق قتل و خون یا بغاوت کا طریقہ کیسے اختیار فرما سکتے ہیں؟ ہاں آپؑ کو یقینِ تام تھا کہ اگر میدانِ جنگ سے سابقہ ہو تو پہلے روز ضرور فتح حاصل ہو گی، خواہ کتنی ہی عظیم طاقت کا سامنا کرنا پڑے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ بی بی خونزار رضی اللہ عنہا نے حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے کہا کہ فقراء بے سر و سامان اور فقر و فاقہ میں زندگی گزارنے والے ہیں۔ ان کو میدانِ جنگ کا تجربہ بھی نہیں ہے۔ اِن سے سرکاری افواج کی مدافعت کیسے ہو سکے گی۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا میرے مہدیٔ موعود علیہ السلام کے فرمانِ مبارک پر مجھ کو اتنا یقین و اعتقاد ہے کہ یہ تو انسان ہیں۔ اگر لکڑی کے پتلے بھی ساتھ ہوں تو مہدیٔ موعودؑ کے فرمان کے مطابق انشاء اللہ تعالیٰ پہلے روز مجھے ضرور فتح ہو گی۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کے یقینِ کامل اور اظہارِ حق اور اتمامِ حجت کی خاطر حکومت سے تعاون کا ایک عدیم المثال واقعہ ہے کہ:-

"ایک راجہ، عظیم فوجی طاقت کے ساتھ سلطنتِ گجرات پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا حکومتِ گجرات کو اُس کے بارے میں فکر و تشویش لاحق تھی۔ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے ایسے نازک وقت پر شاہی دربار میں اپنا پیام روانہ فرمایا کہ حکومت کو تشویش و تردد میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بندہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ راجہ کی افواج کو شکستِ فاش دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ اِس فتح کو حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے دعوئے مہدیت کی صداقت کی دلیل تسلیم کیا جائے اور بلا تامل تصدیق سے مشرف ہونے کا عہد کیا جائے۔ اگر یہ شرط بادشاہ اور مدبرین و علماء و قاضی صاحبانِ دربار کو منظور ہے تو بندہ کو اِس راجہ سے مقابلہ کی اجازت دی جائے۔"

لیکن جیسا کہ حضرت کو یقین تھا، اُن علماء و قاضیوں نے اِس چیلنج کا مطلب نوجوان ناتجربہ کار بادشاہ کو غلط سمجھا دیا۔ اور خود اِس کی سلطنت کو خطرہ لاحق ہو جانے کے خوف و اندیشہ میں مبتلا کر دیا۔ جب مہدویوں میں اتنا زور و زعم ہے تو اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود سلطنتِ گجرات کو کس قدر خطرہ لاحق ہے۔ اس لیے مہدویوں کے جلد سے جلد استیصال کی اور اُن کے وجود کو نیست و نابود کر دینے کی ضرورت ہے۔ اِس بات پر اِس قدر زور دیا گیا کہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کے دائرہ معلّٰی پر کثیر جرار افواج اور مسلح عوام کے ذریعہ حملہ کروا دیا گیا۔

ان حقایق کی روشنی میں صاف نظر آجاتا ہے کہ صِدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور ظلم و عدوان کی، احکامِ قتال بالسیف کے تحت مدافعت کی گئی ہے۔!!!!

چونکہ امام علیہ السلام نے پہلے دن کی جنگ کے بارے میں یہ نوید سنادی تھی کہ اُس روز ضرور فتح ہو گی اور اُس فتح کو اپنی مہدویت کا معجزہ قرار دیا تھا کہ "ا یں آیتِ مہدیتِ من است" چونکہ جنگِ بدر حجتِ رسول ﷺ بود "اِس ارشادِ مبارک کے بالکل مطابق معجزۂ مہدیت کا ظہور ہوا۔ بے سر و سامان متوکلین علی اللہ فقراء کے ساتھ آپؑ نے شاہی لشکر کو شکستِ فاش دی اور اِس طاقتور عظیم فوج نے راہِ فرار اختیار کی۔ آپؑ کے رفقاء نے ڈیڑھ میل تک تعاقب کیا۔ ماشاء اللہ طاقتِ غیبی کا یہ عالم تھا کہ آپؑ کے ساتھیوں میں سے میدانِ جنگ میں ایک بھی شہید نہیں ہوا۔ البتہ زخمی ہوئے ہیں، خود حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی چشمِ مبارک میں میدانِ جنگ سے واپسی کے وقت ایک تیر گڑھ گیا تھا۔ تیر نکالا نہ جا سکا ویسے ہی پٹی باندھی گئی اِس کے باوجود آپ وقت پر نمازیں ادا فرماتے رہے۔

مختصر یہ کہ دائرۂ معلیٰ میں آپؑ مع رفقا واپس تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد ملک شرف الدین جاگیر دارِ سدراسن، اسی (80) سواروں کے ساتھ مدد کو پہنچ گئے۔ ملک یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ ساٹھ فقراء کے ساتھ آپؑ فاتح و منصور ہوئے ہیں۔ اور خود اِس سعادت سے محروم ہو جانے پر بے حد رنج و افسوس کرنے لگے۔

حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا:-

ملک شرف الدین! تمہارے دیر سے پہنچنے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی۔ ورنہ اِس فتح کو تمہاری امداد کی طرف منسوب کیا جاتا۔ مہدیٔ موعودؑ کے معجزہ کا ثبوت مشکل ہو جاتا۔ اب دوبارہ جنگ ہو تو، دیکھ لوگے کہ تمہاری اِس امداد کے باوجود ہماری شہادت پر جنگ ختم ہو گی۔

واقعہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ کوئی فوج یا دولت رکھنے والی شخصیت یا صحابیِ مہدیٔ موعودؑ کا درجہ رکھنے والی ہستی اِس معرکۂ عظیم کے پہلے دن شریک نہ ہو سکی۔

حسبِ فرمانِ مہدیٔ موعود علیہ السلام، ناصرِ دینِ مہدیؑ یعنی خدائے تعالیٰ ہی نے اِس معجزۂ مہدیٔ موعودؑ کے ظہور کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں۔

قرآنِ مجید میں بھی صاف ارشاد موجود ہے:

مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (سورۃ الرعد۔38)

یعنی کسی رسول (نبی) کے لیے اللہ کے حکم کے بغیر معجزہ دکھانا ممکن نہیں ہے۔

اس تائیدِ غیبی کا مقصد یہی تھا کہ جو لوگ حضرت مہدی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے زمانہ میں آپؑ کی مہدیت کی تصدیق سے مشرف نہ ہوئے ہوں، اِس معجزہ کے ظہور کے بعد اِن کے لیے مزید اتمامِ حجت ہو جائے۔ اس لیے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی پیشین گوئی آپؑ کی وفات کے بیس (20) سال بعد من و عن منجانب اللہ پوری ہونا کوئی معمولی اعجاز نہیں ہے۔!!!

ایک دن کے وقفہ کے بعد منتشر شدہ فوج کو مجتمع کر کے 14 / شوال 930 ہجری کو پھر حملہ کر دیا گیا۔ اِس جنگ میں حضرت مہدی علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی شہادت ہو گئی۔ سرِ مبارک، سر کا پوست اور تنِ اطہر جدا جدا کیے گئے۔ قَضَى اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلاً کی شان کا کامل ظہور ہو چکا۔ آج بھی گجرات کے علاقہ میں سدراسن، پٹن اور چاپانیر میں آپؑ کی تین زیارت گاہیں موجود ہیں جن کے ذریعہ صداقتِ مہدیٔ موعود علیہ السلام کا یہ عظیم معجزہ قیامت تک انسانی دنیا کو دعوتِ قبولیت دیتا رہے گا۔

واضح ہو کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام نے یہ پیشین گوئیاں بہ حیثیتِ خلیفۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمائی تھیں۔ احادیثِ شریفہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اِس باب میں مبہم پیشین گوئیاں فرمائی تھیں۔ آپؐ نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اِس کا علم تھا۔ چنانچہ "غزوۂ ہند" کے متعلق "صحاح" میں "نسائی" کی حدیثِ شریف ہے۔:-

عن ابی هريرة قال وعدنا رسول الله صلى الله عليه و سلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسى و مالى فان اقتل كنت من افضل الشهداء و ان ارجع فانا ابو هريرة المحرر

ترجمہ:- ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ہند کی جنگ کا وعدہ فرمایا۔ اگر میں اس کو پاؤں تو میں اپنی جان اور اپنا مال اس میں خرچ کروں گا۔ اور اگر شہید ہو جاؤں تو سب سے افضل شہداء میں داخل ہوں گا اور اگر زندہ لوٹوں تو میں ابوہریرہ ہوں جو جہنم کی آگ کے عذاب سے آزاد کر دیا گیا۔

" غزوہ " اصطلاحاً اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس کا راست تعلق آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے رہا ہو۔ اِس حدیثِ شریف کی صحت کے بارے میں بعض مہدوی حضرات نے حال میں دیوبند کے دارالافتاء سے استفسار کیا تھا۔ اِس کا جواب 27 / ذیعقدہ 1375 / ہجری کو ادا کیا گیا۔۔۔ جس میں اُن علماء نے اس حدیثِ شریف کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور اسلام میں " غزوہ " کی جو متعارف اصطلاح ہے، بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ " اس حدیث کا اشارہ غالباً محمد بن قاسم کے اُس حملہ کی طرف ہو، جس نے ہندوستان کے صوبہ سندھ کی مغربی سرحد پر کیا تھا۔ " نیز اِس فتویٰ میں رائے ظاہر کی گئی ہے کہ اس صورت میں " غزوہ " کے لغوی معنی مراد ہونگے۔ "

مقامِ غور ہے کہ مضمونِ حدیث سے اِس جنگ کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے لیے " غزوہ " کی خاص اصطلاح یاد فرمائی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ نے اِس غزوہ میں شریک ہونے کی بڑی آرزو ظاہر کی ہے اور اِس جنگ کو بڑی فضیلت والی جنگ قرار دیا ہے۔ لہٰذا " غزوۂ ہند " کی اس پیشن گوئی کا ظہور منشائے رسول ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس لیے یہ پیشین گوئی بجز خلیفۃ اللہ کے کسی اور سے متعلق نہیں ہو سکتی۔ !!!

چونکہ اُمتِ محمدیہ میں حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت بہ حیثیتِ خلیفۃ اللہ، ضروریاتِ دین سے ہے اس لیے حضرت رسول اللہ ﷺ نے مہدیٔ موعودؑ کی علامات اور آپؑ کے مراتب و خصوصیات کی پیشن گوئیوں کے ساتھ ساتھ، آپؑ کے دورِ ولایت میں ہونے والی مخصوص جنگ کی پیشین گوئی بھی فرمائی ہے۔ اِسی لیے اس جنگ کے لیے " غزوہ " کا خاص لفظ یاد فرمایا گیا۔

فرامینِ مہدیٔ موعود علیہ السلام کی روشنی میں اس حدیثِ شریف کے لفظِ " غزوہ " کی تفسیر مشکل نہ رہی۔ کیوں کہ آپؑ نے ہندوستان ہی میں حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے ہونے والی جس جنگ کی فتح کی پیشن گوئی فرمائی، اِس کو جنگِ بدرِ نبوت کی فتح سے تشبیہ دی ہے جس کو غزوۂ فتحِ جنگِ بدر کی طرح اپنی صداقتِ مہدیت کا معجزہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا حضرت رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق " غزوۂ ہند " سے مراد وہی جنگ ہے جو حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے بہ حیثیتِ بدلِ ذاتِ مہدیٔ موعودؑ ظہور میں آئی۔ !!!

اِس کے علاوہ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی فضیلت اور شہادت پر صادق آنے والی اور بھی احادیثِ شریفہ ہیں۔ چنانچہ حدیثِ ارطاۃ اور اِس کے مماثل احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کے 20 سال بعد اہلِ بیت سے ایک شخص جو مہدیؑ کی سیرت پر ہو گا ہتیار سے شہید ہو گا۔

اور جس حدیث میں " قحطانی " کا ذکر ہے اس کی تفصیلی بحث کا یہ محل نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کتبِ احادیث (جن میں صحیحین بھی شامل ہیں) کی مندرجہ احادیث اور مشہور محدثین کی تحقیق کے مطابق یہی مذہب صحیح و معتبر ہے کہ امتِ محمدیہ کا آخری امیر جس کے زمانہ میں دجال خروج کرے گا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے، اور جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرے گا وہ شخص، " قحطانی " ہے " فاطمی " نہیں۔

اور جو شخص مہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں کا والی ہو گا اور مہدی علیہ السلام کی سیرت اور روش پر ہو گا اور 20 سال بعد قتیل بالسلاح یعنے ہتیار سے شہید ہو گا وہ اہلِ بیتِ نبی ﷺ سے فاطمی ہو گا۔ !!!

اس کی تائید " نسائی " کی ایک اور حدیثِ شریف سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ :-

" حضرت ثوبان رضی اللہ عنہٗ حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت میں دو گروہ ہونگے اور اللہ اُن کو دوزخ سے بچائے گا۔ اُن میں سے ایک ہندوستان میں جنگ کرے گا اور دوسرا عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ (سنن نسائی جلد 2 / صفحہ 32) "

اس حدیثِ شریف سے ظاہر ہے کہ ایک گروہ ہندوستان میں جنگ کرے گا اور دوسرا گروہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ شریکِ جنگ رہے گا۔
حاصلِ کلام یہ کہ ان احادیثِ شریفہ سے بھی بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی نسبت سیرتِ مہدی علیہ السلام پر ہونے کی فضیلت اور آپؑ سے ہونے والی جنگ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے اس پر " غزوۂ ہند" کا اطلاق بھی ٹھیک مطابق ہوتا ہے۔
نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت ہندوستان میں ہو گی۔ اور مہدی و عیسٰی علیہما السلام کا زمانہ و مقام ایک نہ ہو گا۔!!!
ان مختصر تصریحات سے ظاہر ہے کہ صحابۂ مہدیٔ موعود علیہ السلام کو جہاد بالقتال کی جس نوعیت سے بھی سابقہ ہوا، احکامِ دین کی تعمیل میں مال، اولاد ، جان، اور عزت، قربان کر دینے سے دریغ نہیں کیا گیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیمات کے طفیل، جہادِ بالنفس اور جہادِ بالقتال دونوں نوعیتوں میں کمال حاصل تھا۔ " يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی صفت کا ظہور بدرجۂ اتم تھا۔
مخفی مباد کہ حضرت مہدی علیہ السلام خدائے تعالٰی کی وحی بلاواسطہ کے پابند تھے۔ آپؑ کو جو حکم ہوتا تھا اِس کی تعمیل فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسروں کو تعمیل کا حکم دیتے تھے۔ کتابیں دیکھ کر عمل کرنا اور احکام بیان کرنا، بہ حیثیت خلیفۃ اللہ، آپؑ کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اِسی لیے اتباعِ رسول اللہ ﷺ میں آپؑ معصوم عن الخطا تھے۔ اور اِسی بنا پر آپؑ نے دعوئے مہدیت کی صداقت کی بنیادی دلیل، "مذهبِ ما كتاب الله و اتباع محمد رسول الله" قرار دی۔ جو يتلوهُ شاهدٌ منهُ (اور قرآن اس کے پیچھے اس کا گواہ ہو گا) آئیہ شریفہ کے بالکل مطابق تھا۔
اور آپؑ نے صاف ارشاد فرمایا کہ:
ہر حکمے کہ بیان کنم از خدا و بامرِ خدا بیان می کنم یعنی میں جو حکم کہ بیان کرتا ہوں خدا کی طرف سے خدا کے حکم سے بیان کرتا ہوں۔ (انصاف نامہ)
نیز ارشاد فرمایا:- "مجھے اللہ تعالٰی کی طرف سے روزانہ بلاواسطہ تعلیم ہوتی ہے۔" (عقیدۂ شریفہ)
اس لیے آپؑ جہاد بالقتال میں بھی خدائے تعالٰی کے حکم کے پابند تھے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی تیرا (13) سال دشمنانِ دین کی طرف سے مصائب و آلام برداشت کیے۔ لیکن اپنے اختیار سے راہِ قتال اختیار نہیں کی۔ قتال کی آیات کے نزول کے بعد ہی آپؐ نے حسبِ احکامِ الٰہی جہاد بالقتال مدافعتہً اختیار کیا۔ لیکن تلوار کے زور سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر آپؐ نے مجبور نہیں کیا۔
اِسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام کو بھی اگر جہاد بالقتال کے اسباب سے سابقہ ہوتا اور اللہ تعالٰی کا حکم ہوتا تو ضرور یقیناً آپؑ بھی جہاد بالقتال میں غلبۂ تامہ حاصل فرماتے۔ لیکن کسی کو اپنی اطاعت قبول کرنے اور مذہبِ مہدویہ اختیار کرنے کے لیے تلوار کے زور سے مجبور کرنا، آپؑ کا بھی کام نہیں تھا۔
آپؑ ابھی جونپور میں تھے، آپؑ نے دعوئے مہدیت نہیں کیا تھا لیکن آپؑ کے ولایت مآب ہونے کی شہرت ہو چکی تھی سلطان حسین شرقی والیِ مملکت جونپور بھی مطیع و معتقد ہو گئے تھے۔ اکثر مجلسِ وعظ میں شریک رہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مملکتِ جونپور میں ایسے آثار حضرت پر ظاہر ہوئے تھے کہ والیِ گوڑہ کا دولت اور افواج کی برتری کے زعم میں دباؤ بڑھتا جا رہا تھا صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی صورت پیدا ہو گئی تھی اس لیے آپؑ نے ایک دفعہ دورانِ وعظ ارشاد فرمایا کہ مسلمان حاکم کو مطیع الکفر نہیں رہنا چاہیے۔ سلطان کے دل پر اس ارشاد کا گہرا اثر ہوا۔ والیِ گوڑہ کی برتری کا رعب دل سے نکل گیا۔ آخر جنگ کی نوبت آئی۔ ستر (70) ہزار کی جرار فوج سے مقابلہ تھا۔ سلطان کی افواج مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں اور قدم اکھڑ گئے۔

حضرت امام علیہ السلام اپنی مختصر جماعت کے ساتھ ایک طرف گھوڑوں پر ٹھیرے ہوئے تھے۔ سلطان نے عرض کروایا کہ آپ بھی میدان سے ہٹ جائیں لیکن آپؑ ٹھیرے رہے۔

والیِ گوڑہ نے آپؑ اور آپؑ کی جماعت کی استقامت دیکھی تو مست ہاتھی جس کی سونڈ میں بھاری آہنی زنجیر تھی، مقابلہ میں رکھ کر سخت حملہ کر دیا۔ چونکہ آپؑ پر حملہ ہو چکا اس لیے آگے بڑھ کر اِس زور سے تیر چلایا کہ تیر مستک (ہاتھی کا ماتھا) میں سو فارتک گڑھ گیا۔ ہاتھی نے منہ پھیر لیا اور والیِ گوڑہ ہی کی فوج کی تباہی و پراگندگی کا باعث ہوا۔ آخر خود اس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر پھرتی سے تلوار کا وار کیا۔ تلوار آپؑ کے گھوڑے کی گردن پر پڑی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ پھر حضرتؑ نے ایسا وار چلایا کہ تلوار کاٹتی ہوئی والیِ گوڑہ کے سینے کے پار ہو گئی۔ دل باہر نکل پڑا۔ آپؑ کی حقیقت بین نگاہوں نے مقتول کے دل پر، بت پرستی کی تاثیر بصورت تصویرِ بت دیکھی۔ آپؑ نے فرمایا، باطل پرستی کی یہ تاثیر ہے تو حق پرستی کی تاثیر کا کیا عالم ہو گا۔ آپؑ مست و جاذب بحق ہو گئے۔ بارہ (12) سال جذبہ رہا۔ سات (7) سال تو ایسے گذرے کہ صرف نماز کے وقت ہوش آجاتا تھا۔

مقامِ غور ہے کہ دعوئے مہدیت سے قبل آپؑ کی باطنی قوت کا یہ عالم تھا کہ جرار فوج کو جس کے مقابلہ کی تاب سلطان حسین کی افواج نہ لا سکیں۔ آپؑ نے شکستِ فاش دے دی۔ دعوئے مہدیت کے بعد آپؑ کی معجزانہ قوت کا جو حال ہو سکتا ہے اِس کو خدائے قدیر ہی بہتر جان سکتا ہے۔ ہماری زبان و زبانِ قلم دونوں اِس کے بیان سے عاجز ہیں۔

اِس قدر معجزانہ قوت حاصل رہنے کے باوجود جب تک شرایطِ جہاد اور اسبابِ جہاد نہ پائے جائیں آپؑ پر حملہ نہ ہو اور مدافعت کے لیے آپؑ کو خدا کا حکم نہ ہو، بلا سبب از خود جہاد بالقتال کا اقدام کیسے کر سکتے تھے؟

آپؑ نے دین کی اُسی طرح تبلیغ فرمائی جیسی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا:-

حجت دادن کارِ خدا وندیست حجت دہد یا نہ دہد بندہ را دریں چہ کار است برما تبلیغ فرض است۔ (نقلیاتِ میاں عبد الرشیدؓ مع ترجمہ و توضیحات)

ترجمہ:- معجزہ عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ معجزہ عطا کرے یا نہ کرے اِس میں بندہ کو کیا دخل ہے۔ ہم پر تو صرف تبلیغ فرض ہے۔

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی بعثت " خَیْرُ اُمَّۃٍ " کو یعنے اُمتِ محمد ﷺ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ہوئی تھی۔ اس لیے آپؑ کی دعوت کے اولین و راست مخاطب کلمہ گو ہی تھے۔ اگر آپؑ سے یہ لوگ بھی برسرِ پیکار ہو جاتے اور فوج کشی ہوتی اور خدا کا حکم ہوتا تو مدافعت کے لیے ضرور جنگ فرماتے۔

جنگِ "بدر" اور "حنین" و "اُحد" کے معرکے اسی بات کے شاہد ہیں کہ دشمنانِ اسلام کی فوج کشی کے مقابلہ میں خدا کے حکم سے مدافعتہً جنگ کی گئی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے جہاد بالسیف مدافعتہً کیا ہے۔ اگر دشمنانِ اسلام درپئے جنگ نہ ہوتے تو آپؐ بھی جہاد بالقتال ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ ایسا ہی موقع اور حکمِ الٰہی حضرت مہدی علیہ السلام کو جب تک نہ ہوتا آپؑ بھی جہاد بالسیف کیسے اختیار فرماتے! اس کے علاوہ کسی تاریخ سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں کہیں عَلَمِ جہاد بلند ہوا تھا، آپؑ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔!!!

غرض یہ کہ آپؑ پر کسی طاقت نے حملہ کیا اور نہ اس کی مدافعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت ہوئی۔!!! اس لیے جہاد بالقتال کا وقوع بھی ہونے نہیں پایا۔

یہ واقعہ ہے کہ آپؑ کی جماعت میں کچھ نہ کچھ ہتیار ضرور رہا کرتے تھے۔ بعض موقعے ایسے آئے کہ آپؑ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگ کی تیاری

کی اجازت چاہی۔ آپؑ نے صاف طور پر ارشاد فرمادیا کہ بندہ کسی کی رائے کا تابع نہیں ہو سکتا۔ صرف خدا کے حکم کا تابع ہے۔ چنانچہ :-

اکثر صحابۂ مہدیٔ موعودؑ سے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام خراسان تشریف لے گئے، آپؑ نے شہر فراہ میں اقامت فرمائی۔ اور یہ کیفیت مشہور ہوئی کہ ایک سید آئے ہوئے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ میں مہدیٔ موعود ہوں۔ اور خلق پر میری تصدیق ثابت ولازم ہے۔ اِس شہر کے قاضی نے خاص طور پر کوتوال کو حکم دیا کہ جاؤ، اس جماعت کے چھوٹے اور بڑوں کو جو کچھ بھی ان کا سامان ہو تاراج کر کے پکڑ لاؤ۔ کوتوال نے اپنے پولیس کے نوجوانوں کی کثیر جمعیت روانہ کی۔

جب پولس آئی اُس وقت مہدی علیہ السلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ باہر تشریف فرما تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگ کی تیاری کے لیے اجازت طلب کی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بندہ حضرتِ رب العالمین کے فرمان کا تابع ہے۔ کسی کی فکر بلکہ خود اپنی فکر کا تابع نہیں۔ اگر تم میری اتباع میں ہو اور میری تصدیق کرتے ہو تو صبر کرو۔ بالآخر جوانانِ پولیس نے فقراء کا اور اُن کے زنانہ حصہ کا پورا سامان تاراج کر دیا۔ اس کے بعد مہدی علیہ السلام کے پاس آکر انہوں نے تلوار وہتیار طلب کیے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنی تلوار اپنے سے الگ کر کے حوالے کر دی پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے ہتیار حوالے کر دیئے۔ انہوں نے اپنے امامؑ کی پوری اتباع کی۔ وہ لوگ تمام اسباب لے کر چلے گئے۔

اسی رات اس شہر کے حاکمِ اعلیٰ (سرور خاں) نے خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ تیری حکومت میں میرے فرزند پر کتنا ظلم ہوا ہے؟ حاکم نے ہیبت کے عالم میں جواب دیا کہ یارسول اللہؐ! مجھے خبر نہیں علی الصبح تحقیق کرونگا۔ اسی حال میں بیدار ہوا۔ کوتوال کو بلایا۔ اور خواب کا حال بیان کر کے پوچھا کہ کیا تو نے کوئی ایسا کام کیا ہے؟ کوتوال نے قاضی کا حکم اور ساری روئداد تفصیلاً پیش کر دی۔

اِس کے بعد اِس حاکم نے قاضی کو طلب کر کے قید کروادیا اور عہدۂ قضات سے برطرف کر دیا۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کروایا کہ قاضی کے بارے میں آپ جو حکم دیں عمل کرونگا اور اپنے بعض علماء اور بعض منصفین کو عذر خواہی اور دعوئے مہدیت کی تحقیق کے لیے حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور عرض کروایا کہ جو سامان تلف ہوا ہے اس کی فہرست دی جائے تا کہ دوگنا سامان بھیجدوں۔ ان لوگوں نے عذر خواہی کی اور تلف شدہ سامان کی فہرست طلب کی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہماری آن کا کچھ حصہ بھی تلف نہیں ہوا ہے۔ ہم بجز خدائے تعالیٰ کے کچھ نہیں رکھتے۔ اور ہمارا خدا ہم سے چھوٹا نہیں ہے۔ اِس کے بعد اُن لوگوں نے چند علمی سوالات کیے حضرت مہدی علیہ السلام نے اُن کے جواب باصواب دیئے۔

اُن لوگوں نے واپس آکر جو کچھ گزرا پورا پورا بیان کر دیا اور ایک شخص جو اُس جماعت میں بڑا عالم تھا، اس نے عرض کیا کہ میرا علم اُن سید صاحب کے علم کے مقابلہ میں قطرہ اور دریا کی نسبت رکھتا ہے۔

پس حاکم نے اپنے معتبر و محتشم و مہیب وزیر میر ذوالنون سے مشورہ کیا کہ دعویٰ تو بہت بڑا ہے کیا کرنا چاہیے۔؟ اُس نے رائے دی کہ میں شوکت و قوت اور اسبابِ جنگ اور شاہی قہر و غلبہ کے ساتھ اُن کے پاس جاتا ہوں۔ اگر وہ تاب نہ لاسکیں اور میری طرف متوجہ ہو جائیں تو اُن کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اگر بے نیازی برتیں اور ہم پر اُن کا رعب حاوی ہو جائے اور ہمارے دل اُن کی طرف مائل ہو جائیں تو بے شک مہدیٔ موعود ہیں۔ کیونکہ بجز مہدیٔ موعود کے کوئی ایسی طاقت نہیں رکھتا۔

وزیر کا یہ مشورہ پسند آیا۔ اور اجازت دی کہ یہ تدابیر اختیار کرے۔ دوسری صبح وزیر نے یہی کیا۔ جب فوج کے باجوں کی آوازیں آنے لگیں اور

مشہور ہوا کہ یہ لشکر قتل و تاراج کرنے کے لیے آرہا ہے۔ اور فقراء نے لشکر کا یہ دبدبہ دیکھا تو بعض فقراء حیرانی میں پڑ گئے۔ اور ایک فقیر نے حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ بادشاہ کی فوج آچکی ہے کیا تدبیر کی جائے؟ حضرت مہدی علیہ السلام نے ناراضی ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "بادشاہ تو ایک ہی ہے جس کا کوئی وزیر نہیں" اتنے میں فوج آ ہی گئی"۔ الخ

اِس کے بعد کا میر ذوالنون کا واقعہ اِس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔ غرض اہلِ دربار اور اہلِ دنیا قاضی و علماء نے مسلم ممالک میں آپؑ کے لیے قید و قتل کے فتویٰ تو بہت جاری کیے لیکن کسی بھی بڑی سے بڑی طاقتور سلطنت کا بھی اِس کی تکمیل کی جرأت نہ ہو سکی۔ حتٰی کہ خراسان کی بہادر افواج اور وہاں کے بہادر عوام بھی آپؑ کی غیبی طاقت کے غلبہ کے مقابلہ میں عاجز رہے۔

آج کے افغانستان کو دیکھ کر پانچ سو سال قبل کے زمانہ کا تصور کیا جائے تو ہر سلیم الطبع شخص امام علیہ السلام کے اس اعجاز کو ضرور تسلیم کرے گا۔!!

اس سے ہدایۃً ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوت آپؑ پر غلبہ حاصل نہیں کر سکی۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے میر ذوالنون سے فرمانِ رسول ﷺ کا جو مطلب ارشاد فرمایا تھا کہ مہدی پر دنیا کی کوئی قوت غالب نہیں آئے گی۔ آپؑ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات سے ثابت ہے کہ بلاشبہ پورا پورا صادق آیا۔

اکثر اوقات صرف آپؑ کی تاثیرِ نظر ہی سے بڑی سے بڑی قوت مغلوب ہو جاتی تھی۔ آپؑ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ:-

آپؑ مع قافلہ ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ ڈاکوؤں کا گروہ آپؑ کے قافلہ کو لوٹنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خطرناک آثار دیکھ کر خدمت میں عرض کیا کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو (دہشت زدہ صحابہؓ کی تسکین کے لیے) خود گھوڑے سے اتر کر تلوار اور سپر ہاتھ میں لیے ہوئے قافلہ کے آگے چلنے لگے۔ ڈاکوؤں کے گروہ نے (جو حملہ کرنے کی تیاری کر چکا تھا) آپؑ کی نظرِ مبارک پڑتے ہی راہِ فرار اختیار کی۔ آپؑ کا قافلہ امن و عافیت سے آگے بڑھ گیا۔

ایک طالبِ خدا پیچھے رہ گئے تھے، ڈاکوؤں نے اُن کو روک کر دریافت کیا کہ یہ لشکر کس کا ہے جو اتنے ہاتھیوں، گھوڑوں اور اسلحہ کے ساتھ گزر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کا ہے۔ ڈاکوؤں نے اُن کو چھوڑ دیا۔ حضرتؑ کی خدمت میں پہنچ کر ڈاکوؤں کا بیان حیرت سے عرض کیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے سن کر جلال و عتاب سے ارشاد فرمایا کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو۔ اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے۔ بندگانِ خدا کو صرف خدا کی طلب میں رہنا چاہیے۔ (نقلیاتِ میاں عبد الرشیدؓ مع ترجمہ و توضیحات)

اس واقعہ میں اہلِ نظر اور اہلِ دل لوگوں کے لیے آج بھی کئی باتیں تسکین و تشفی کے لائق موجود ہیں۔ خصوصاً روایت کا آخری حصہ جس میں آپؑ نے ظہورِ اعجاز کو اپنے لیے بڑائی و فخر کا سبب نہیں قرار دیا۔ طالبانِ خدا کو ہر حال و ہر آن، ذکر اللہ میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی۔ تاکہ حصولِ لقائے رب کی شرائط کی تکمیل میں اور جہاد بالنفس کا فرض ادا کرنے میں کوئی عاشقِ خدا قاصر نہ رہنے پائے۔ انتہا درجہ خطرناک اور خوف و دہشت کے موقع پر بھی طالبانِ خدا میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی برتری کا احساس مستحکم کرنے اور اُسی کی ذات سے وابستگی قائم کرنے اور اِس کی ذات پر کامل توکل کی ہدایت فرمائی ہے۔ نیز اس واقعہ سے آپؑ کو غیبی تائید جو حاصل تھی اس کا بھی ثبوت ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؑ حضرت رحمۃ اللعالمین کی جیسی افضل الانبیاء ہستی کی ولایت کے خاتم تھے۔ اس لیے آپؑ کی "ذاتِ مقدس صفات" میں بھی رحمت اللعالمین کی خصوصیت کا ظہور ضروری تھا۔ اسی لیے حضرت شیخ اکبر محی الدین

ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:-

فالمهدی رحمة الله كما كان النبی صلی الله علیه و سلم رحمة قال تعالٰی و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین و المهدی یقفوا اثری و لایخطی فلا بد ان یکون رحمة (الفتوحات المکیئه مطبوعه مصر 1293/ ہجری الجز الثالث صفحه 443)

ترجمہ:- مہدیؑ اللہ کی رحمت ہیں جیسا کہ نبی ﷺ اللہ کی رحمت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے آپؐ کو رحمتہ للعالمین ہی بنا کر بھیجا ہے اور مہدیؑ آپؐ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ (حدیثِ شریف کے مطابق ضروری ہے کہ آپؑ بھی اللہ کی رحمت ہوں)

اسی لیے مہدیٔ موعود کی علامات میں آنحضرت صلعم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مہدی کے اخلاق، آپؐ کے اخلاق کے مشابہ ہونگے۔

اسی لیے مہدی علیہ السلام کے طریقِ تبلیغ میں بھی وہی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تھیں۔ بطورِ مثال چند روایات درج کی جاتی ہیں۔

(1) روایت ہے کہ ایک عالم، حضرت مہدی علیہ السلام سے (بطریق ضد) سوال و جواب کر رہا تھا میاں شیخ بھیک رضی اللہ عنہٗ نے اپنے حجرہ سے نکل کر عرض کیا، میرا نجی! آپؑ کیوں سرخالی فرمارہے ہیں؟ آپؑ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے بندہ کو سرخالی کرنے کے لیے ہی بھیجا ہے۔!!!

(2) ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر حج کے موقع پر جہاز میں ایک عالم، دیدارِ خدا کے بارے میں آپؑ سے سوال کرنا چاہتا تھا۔ آپؑ نے بغیر سوال کے از خود اس کی تشفی فرمائی۔ حدیثِ شریف موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کی تشریح کر کے تفہیم فرمائی۔ نیز ارشاد فرمایا، "ہم کو دیدارِ یار ہی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ ورنہ اور کیا کام ہے جس کے لیے بعثت کی ضرورت ہو۔"!!!

اس روایت کے آخری حصہ سے حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کی ضرورت و غایت صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ اس لیے آپؑ کی تعلیمات جہاد بالنفس ہی سے متعلق ہیں۔

(3) ایک روز بیانِ قرآن کی مجلس میں ایک شراب خوار جو مغرور و بدکار، و مالدار تھا، شوخیانہ انداز میں حضرت مہدی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ بعض صحابہؓ نے اس کو روکا لیکن اس نے ایک نہ سنی حضرتؑ کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ اور اس نے کہ نیت کر رکھی تھی کہ (شخصی تخاطب کے ساتھ) بیان سنے جس سے ممانعت علانیہ ظاہر ہو۔ جب وہ واپس ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے التماس کیا کہ شراب کے شیشہ کے ساتھ آیا تھا، اگر زبانِ مبارک سے منع فرمادیتے تو وہ باز آجاتا۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے لیے بھیجا ہے۔ منعِ صریح (یعنے شخصی تخاطب سے منع کرنے) کے لیے نہیں بھیجا۔ جو شخص بیانِ کلام اللہ سن کر نصیحت حاصل نہیں کرتا ہے اس کے لیے منع صریح سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔

یہ بات اُس شراب خوار تک پہنچی تو اُس نے کہا اگر حضرتؑ زبانِ مبارک سے مجھے منع کرینگے تو باز آجاؤں گا۔ تین بار اسی طرح مجلس بیانِ قرآن میں حاضر ہونے کی ضد و جسارت کی آخر اس کے پیٹ میں شدید درد ہونے گا۔ جان جانے کی نوبت آگئی۔ اسی حالتِ اضطرار میں حاضرِ خدمت ہو کر اپنی رسوا کن غلطی کا اعتراف کیا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: بھائی! اللہ تعالیٰ کے بے نیاز دربار میں اِس قدر سرکشی نہیں کرنی چاہیے۔ آپؑ نے پسخوردہ (اُلش) کا پانی پلایا۔ درد دفع ہو گیا اور خالص توبہ کی اور تلقینِ ذکر اللہ حاصل کر کے آپؑ کی صحبتِ فیض درجت میں رہ گیا۔

(نقلیاتِ میاں عبد الرشیدؓ مع ترجمہ و توضیحات)

اس روایت سے آپؑ کے طریقِ تبلیغ، موعظۂ حسنہ اور رشد و ہدایت کے بنیادی اصول واضح ہو رہے ہیں۔ احادیث شریفہ میں بھی ایسی کئی نظیریں پائی جاتی ہیں۔ اِس سے قبل ایک حدیثِ شریف پیش کی جاچکی ہے جس میں ایک بدوی کا مسجد نبویؐ میں پیشاب کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جس قوم کی صفت بیان ہوئی ہے۔اِس کی پہلی صفت يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ ہے۔یعنی مہدیؑ، ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت رکھے گا اور وہ قوم اللہ سے محبت رکھے گی۔اسی لیے يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی بنیادی خصوصیت یہی ہونی چاہیے کی وہ قوم "جہاد بالنفس" میں درجۂ کمال کو پہنچے، اس کے بغیر محبت کی خصوصیت بدرجۂ اتم حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ لقائے رب ممکن ہو سکتا ہے۔

قرآنِ مجید کے اس اشارۃ النص کا صاف نتیجہ یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام کی علامات میں ایک اہم علامت یہ ہے کہ وہ جہاد بالنفس کی ایسی تعلیم دینگے جس کے طفیل انسان کا مقصدِ پیدائش عبادات اور مقصدِ زندگی حاصل ہو۔اور وہ اشرف المخلوخات ہونے کا صحیح مصداق بن سکے۔انسان پر اشرف المخلوخات کا لقب اپنے مفہومِ تام کے ساتھ اُسی وقت صادق آسکتا ہے جب کہ فرشتوں کے شرفِ قربِ الٰہی پر بھی اشرف درجہ حاصل کرے۔

ختم شد